

سہ ماہی خدا کی بستی

کم آمدن والے شہریوں کے مسائل کا ترجمان

KHUDA KI BASTI



خدا کی بستی

خدا کی بستی کم آمدنی والے لوگوں کے رہائشی مسئلہ کو حل کرنے کا ایک منفرد اور کامیاب ماڈل ہے۔ سب سے پہلے اس کا تجربہ 80ء کی دہائی میں حیدرآباد میں کیا گیا، جس کی کامیابی کے بعد گھارو اور کراچی میں اس کو دہرایا گیا۔ اس طرز کا چوتھا منصوبہ 2006ء میں پنجاب کے مرکز لاہور کے قریب کالا شاہ کاکو میں شروع کیا گیا۔

روایتی سکیموں سے ہٹ کر اس پروگرام میں فطری آبادکاری اور ترقی کے اصولوں کو اپنایا گیا ہے۔ چونکہ انسان صدیوں سے کسی جگہ پر آباد ہوتے ہیں اور پھر دھیرے دھیرے اپنے گھروں اور آبادی کو ترقی دیتے چلے جاتے ہیں۔ اسے بتدریج ترقی یا Incremental Development کہتے ہیں۔ اس کے برعکس آج کے جدید ہاؤسنگ پروگراموں میں زمین مہیا کر کے باقاعدہ ڈویلپمنٹ کی جاتی ہے۔ یعنی بجلی، پانی، سیوریج، سوئی گیس اور سڑکیں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد اس کو الاٹمنٹ کے ذریعے آباد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے دو طرح کے مسائل پیدا ہوتے ہیں:

اول: زمین کی قیمت اور ترقیاتی اخراجات کو شامل کر کے پلاٹ کی قیمت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ کم آمدنی والے لوگوں کی استطاعت سے باہر ہو جاتی ہے۔

دوئم: اس قسم کے پلاٹ رہائشی سہولت بننے کی بجائے زیادہ تر خرید و فروخت کرنے والے خوشحال طبقہ کے پاس جا کر منڈی کا مال بن جاتے ہیں، جس سے ان کی قیمتیں مزید بڑھ جاتی ہیں۔

خدا کی بستی میں اس طرز عمل کے بالکل برعکس طریقہ کار اپنایا گیا ہے۔ جس کے تحت (1) یہاں زمین کا لے آؤٹ پلان بنالیا جاتا ہے۔ لیکن اس کی ڈویلپمنٹ نہیں کی جاتی، اس میں خریدار کو گاہک کی بجائے ضرورت مند تصور کر کے اس سے صرف زمین کی حقیقی قیمت وصول کی جاتی ہے۔ جو کہ اس طرح سے اس کے لئے قابل برداشت ہوتی ہے۔ ترقیاتی کام بعد ازاں لوگوں کی ضروریات کے مطابق اقساط کی صورت میں رقم وصول کر کے کئے جاتے ہیں۔ (2) یہاں پلاٹ بیچنے کی بجائے ضرورت مند افراد کو بسایا جاتا ہے۔ یعنی فوری رہائش لازمی شرط ہے۔ اس طرح سے پلاٹوں کی خرید و فروخت کرنے والوں کو کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔

اس طریقہ کار کی بدولت دیکھتے ہی دیکھتے ہاؤسنگ سکیم آباد ہو جاتی ہے اور بتدریج ساری بنیادی سہولتیں بھی رہائشیوں کو مل جاتی ہیں۔ جبکہ دیگر ہاؤسنگ سکیمیں خوشحال طبقے کے ہاتھوں پلاٹوں کے کاروبار کے باعث طویل عرصہ تک آباد نہیں ہو پاتیں اور ضرورت مند گھر بنانے کا خواب ہی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

خدا کی بستی سہ ماہی

کم آمدنی والوں کے مسائل کا ترجمان

اپریل 2018 تا جون 2018، شمارہ نمبر 38، جلد نمبر 4

فہرست

- اداریہ ----- 2
- ایک عاشقانہ شکوہ ----- ڈاکٹر اختر حمید خان ----- 4
- عبداللہ سندھی کا نقطہ نظر: غریبوں کو خود کفیل بنائیے ----- ڈاکٹر محمد جاوید ----- 6
- پروین رحمان شہید کا یادگار خطاب ----- مرتبہ ڈاکٹر محمد جاوید ----- 9
- پینے کا صاف پانی اور مناسب سینی ٹیشن ”بنیادی انسانی حق“ ----- محمد شاہد عباسی ----- 15
- ساتویں جنوبی ایشیائی کانفرنس برائے سینی ٹیشن ----- 17
- خواتین سماجی و معاشی زندگی میں کیسے با اختیار بن سکتی ہیں؟ ----- ڈاکٹر طاہرہ کوکب ----- 19
- معلم کی کہانی (پہلی قسط) ----- چوہدری افضل حق ----- 25
- زیتون کا باغ اگائیں اور ہزار سال تک نفع کمائیں ----- عبداللہ عادل ----- 28
- خدا کی بستی - 3 کراچی ترقیاتی رپورٹ ----- اختر علی ----- 30
- اہم خبریں ----- محمد منظور ----- 33
- صحافی، کالم نگار، ایڈیٹر حبیب الرحمان شامی سے خصوصی گفتگو ----- ہمایک ----- 36
- خدا کی بستی - 4 کالا شاہ کاکو ترقیاتی رپورٹ ----- ایم آئی بڑی ----- 38
- عروج سے سکون تک ----- ایم اسحاق بڑی ----- 41
- پروین رحمان شہید کے قتل میں لینڈ مافیا ملوث ----- ڈان رپورٹ ----- ترجمہ بشری ظہیر ----- 44
- بلڈرز اور نام نہاد سیاستدانوں کا گٹھ جوڑ ----- عارف حسن ----- ترجمہ بشری ظہیر ----- 45
- سائبان آفس کراچی:

GRE-319 (2-B) Britto Road, Karachi 74550, Pakistan

Ph:0321-2259049 - 021-2259772

سرپرست اعلیٰ: تسنیم احمد صدیقی

مدیر اعلیٰ: حافظ راشد محمود

مدیر: ڈاکٹر محمد جاوید

معاونت: محمد اسحاق بڑی

منظور احسین

مشاورتی بورڈ: اختر علی خان

امداد حسین

عاطف حسن

طارق لطیف

قانونی مشاورت: شاہد عثمان ایڈووکیٹ

پبلشر:

سائبان، لاہور

C-95 فضل سٹریٹ علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

فون: 0312-4660328

قیمت شمارہ: 50 روپے

”شہری زندگی کو درپیش چیلنجز اور حکومتوں کی ذمہ داری“

پاکستان دنیا کے ان ممالک میں شمار ہوتا ہے جہاں شہر تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ شہری آبادی ہر سال تین فیصد بڑھ رہی ہے۔ جنوبی ایشیا کے ممالک میں پاکستانی سب سے زیادہ شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔ 2030ء تک امید کی جاتی ہے کہ پاکستان میں 250 ملین باشندے شہروں میں رہائش پذیر ہوں گے، جو کہ کل آبادی کا نصف ہوں گے۔

پاکستان میں شہروں کی آبادی کے بڑھنے کی وجوہات پیدائش کی شرح میں اضافہ اور دیہاتوں سے شہروں کی طرف ہجرت ہے۔ ہجرت کرنے والوں کا مطمع نظر روزگار کی تلاش اور بہتر بنیادی سہولیات تک رسائی ہے۔ پاکستان کے بڑے شہر تیزی سے آبادی کے دباؤ کا شکار ہونے کی وجہ سے پبلک کو بنیادی سہولیات اور روزگار کی فراہمی کے حوالے سے کئی مشکلات کا شکار ہیں، ایک طرف شہری زندگی میں غربت بڑھ رہی ہے، آٹھ میں سے ایک شہری غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہا ہے۔ نتیجتاً دنیا کے دیگر ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں پاکستان کے شہر بہت کم قومی معیشت میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں، پاکستانی شہروں میں 38 فیصد آبادی رہائش پذیر ہے، جو کہ مجموعی طور پر 55 فیصد GDP میں حصہ ڈال رہی ہے، جبکہ انڈیا کی 30 فیصد شہری آبادی کا GDP میں حصہ 58 فیصد ہے۔ انڈونیشیا کی 44 فیصد شہری آبادی کا GDP میں حصہ 60 فیصد ہے۔

پاکستان کے شہروں کا ایک اہم مسئلہ شہروں کی Linear Growth ہے جس میں شہری آبادی شہر کے مین داخلی راستوں کے ساتھ ساتھ دور تک پھیلتی جا رہی ہے۔ اور وہ آہستہ آہستہ شہری حدود میں شامل بھی نہیں ہے اس وجہ سے بھی سماجی، ماحولیاتی، معاشی و دیگر مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اس طرح کی آبادی کا پھیلاؤ بغیر مناسب منصوبہ بندی کے معیشت کے لئے نیک شگون ثابت نہیں ہوتا۔

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق تمام بڑے شہروں میں 2015ء میں 44 لاکھ رہائشی مکانات کی کمی تھی۔ اگر اسی طرح کا سلسلہ چلتا رہا تو 2035ء تک پاکستان کے پانچ بڑے شہر 78 فیصد رہائشی مکانات کی کمی کا شکار ہو جائیں گے۔ اگرچہ شہری آبادی نہ بھی بڑھے مگر انفرادی خاندانوں کا مشترکہ خاندان سے الگ تھلگ رہائش کا رجحان بھی ہاؤسنگ سپلائی پر اثر انداز ہوگا۔

پاکستان میں اکثر رہائشی مکانات کا معیار ناقص ہے، یہ دنیا بھر میں ان دس ممالک میں آٹھویں نمبر پر ہے جہاں مجموعی طور پر 60 فیصد غیر معیاری ہاؤسنگ موجود ہے۔ پاکستان کے زیادہ تر شہروں میں صرف 50 فیصد آبادی کو یومیہ چار سے سولہ گھنٹے پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ ایشین بینک کے مطابق 90 فیصد پینے کے پانی کی اسکیمیں انسانی صحت کے لئے غیر محفوظ ہیں۔ عام طور پر گھروں میں مشترکہ لیٹرینیں زیر استعمال ہیں اور کوڑا کرکٹ کو ٹھکانے لگانے کا نظام ناقص ہے۔ انتہائی گنجان آباد شہر کراچی میں ایک ٹائلٹ اوسطاً تین آدمی استعمال کرتے ہیں۔ عالمی بینک کے اندازے کے مطابق ناقص سینیٹیشن کے نظام کی وجہ سے پاکستان اپنے GDP کا تقریباً 3.9 فیصد صحت پر خرچ کرتا ہے، جس میں ہیضہ کی وجہ سے اموات اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کی اموات کا ایک بڑا حصہ ہے۔

پاکستان میں صحت اور خوراک کے حوالے سے بھی اعداد و شمار قابل تعریف نہیں ہیں، بچوں کی غذائی کمی اور بیماریوں کی وجہ سے اموات کے اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں

کہ صحت اور خوراک کے حوالے سے شہری علاقے دیہی علاقوں کے مقابلے میں بہت زیادہ بہتر نہیں ہیں۔ اس کی وجہ شہروں میں پبلک ہیلتھ کی بنیادی مناسب سہولیات کا فقدان ہے، تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی نے آلودگی کو جنم دیا اور اس سے بھی لوگوں کی صحت پہ براہ راست اثرات مرتب ہوئے۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق کراچی، بیجنگ کے مقابلے میں دو گنا آلودگی کا شکار شہر ہے۔ پنجاب کے شہروں میں آلودگی کی سطح اقوام متحدہ کے تعین کردہ آلودگی کی محفوظ سطح سے تین سے چار گنا زیادہ ہے۔

صاف پانی کی عدم دستیابی پانچ سال سے کم عمر کے بچوں کی ہلاکت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ Save the Children's 2015 Annual Report کے مطابق پاکستان میں غریب شہری بچے دیہی علاقوں کے بچوں کے مقابلے میں زیادہ موت کا شکار ہوتے ہیں۔

ماحولیاتی درجہ حرارت کا چیلنج بھی شہروں میں درپیش ہے، شہر کے طول و عرض میں پھیلی تعمیرات میں کنکریٹ کے استعمال کی وجہ سے درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ 2015 میں غیر متوقع گرمی کی لہر سے تقریباً 1500 افراد ہلاک ہوئے۔ حال ہی میں کراچی میں وسیع پیمانے پر ہلاکتوں کی بنیادی وجہ بھی یہی ہے۔

اس کے علاوہ زمین کے استعمال کے فرسودہ قوانین اور بلڈنگ کوڈز اور باقاعدہ زمینوں کے اندراج کے نظام کی عدم موجودگی اور زمینوں کا بے ترتیب اور ادھورا ڈیٹا کا استعمال پاکستان میں زمینوں کے ناقص انتظام کی نشاندہی کرتے ہیں جس کا ایک بڑا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ زمینوں کے استعمال کے حوالے سے عدم مساوات پیدا ہوئی ہے۔ کراچی میں 36 فیصد آبادی باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت طور پہ بنائے گئے علاقوں میں رہائش پذیر ہے، جو کہ 77 فیصد شہر کی رہائشی زمین استعمال میں لاتے ہیں۔ جہاں شہری Density کم ہو کر 64 افراد فی ایکڑ تک پہنچ گئی ہے۔ اور دوسری طرف کراچی میں بے قاعدہ طریقے سے بنے ہوئے علاقوں کی Density فی ایکڑ 4500 افراد سے زیادہ ہے۔ اس بڑے پیمانے پر فرق کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بنیادی شہری سہولیات تک رسائی میں عدم مساوات پیدا ہو گئی ہے۔

بغیر منصوبہ بندی کے شہری آبادی کی بڑھوتری کو چیک نہیں کیا گیا۔ ہاؤسنگ سکیمیں شہر کی حدود سے تجاوز کر چکی ہیں تقریباً 160000 ایکڑ اراضی کو استعمال میں لایا گیا ہے۔ کراچی اور لاہور میں بڑے پیمانے پر ریل اسٹیٹ ڈیولپمنٹ کی اسکیمیں پرائیویٹ اور ملٹری ڈیولپرز شاہراہوں کے ساتھ بنا رہے ہیں، یہ ادارے شہر کی نئی حدود کا تعین کر رہے ہیں یا موجودہ حدود کو رد کر رہے ہیں۔ اس سے سہولیات کی دستیابی مزید متاثر ہو رہی ہے۔

سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان شہری مسائل پہ حکومتوں کی کیا دلچسپی تھی اور ہے؟ اس حوالے سے گذشتہ اور موجودہ حکومتوں کا جائزہ لیا جائے تو انتہائی مایوسی ہوتی ہے، عوام کے ان بنیادی اور حقیقی مسائل کو حل کرنے کی ذمہ داری تمام اداروں پہ عائد ہوتی ہے۔ اس وقت شہری زندگی کو درپیش چیلنجز کا ایک پہاڑ ہے جسے شہری منصوبہ بندی کے پالیسی سازوں کی توجہ درکار ہے، سیاسی حکومتوں کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے پانچ سالہ پروگرام میں ان بنیادی عوامی مسائل کو اولین حیثیت دیں، بیوروکریسی اور لوکل گورنمنٹ کے اداروں کو فعال بنائے اور عوامی نمائندوں اور عام پبلک کو شامل کر کے ان مسائل کے حل کے لئے منصوبہ بندی کو یقینی بنائیں، عوامی سطح پہ بھی اس شعور کو عام کرنے کی ضرورت ہے کہ مقامی، صوبائی اور قومی سطح کے الیکشن میں اپنے ووٹ کا درست استعمال کریں اور ایسے امیدواروں کو منتخب کریں جو قانون ساز اور پالیسی ساز اداروں میں جا کر ان کے بنیادی مسائل کے حل کے لئے مناسب قانون سازی کریں اور عملی منصوبہ بندی کے ذریعے ان مسائل کے حل میں مثبت کردار ادا کریں۔

میرا جیسا پس منظر ہو، یہ ایک مجبوری ہے۔ امریکی اور برطانوی اخبارات میں بہت سی خرابیاں ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں، یعنی تجزیے، معلومات، اور علم کی فراہمی میں مخلص ہیں۔ اگر کوئی بڑا مسئلہ یا بحران سامنے آتا ہے تو وہ اس کو نظر انداز نہیں کرتے، وہ مسئلے کو کریدتے ہیں، اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہیں، اور اس کے بارے میں مختلف نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔ میں نے بڑے افسوس کے ساتھ مشاہدہ کیا ہے کہ ہمارے اخبارات اپنا یہ فرض مناسب طور پر انجام نہیں دیتے۔ میں ایک مثال دیتا ہوں 1964ء سے بار بار امریکہ گیا ہوں، مجھے احساس ہوا کہ اس وقت امریکی قوم کو دو اہم مسائل کا سامنا تھا، اور ان مسائل کا اخبارات، ٹیلی ویژن، یونیورسٹیوں کے لیکچر ہال،

کتابوں اور رسالوں میں چرچا تھا۔ اس وجہ سے ان مسائل کو نظر انداز کرنا ناممکن تھا۔ پہلا مسئلہ کالے امریکیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کا اور دوسرا مسئلہ امریکہ کی ویت نام میں جنگ کا تھا۔ میں دیکھا کہ کس طرح ذرائع ابلاغ عوام کی رائے کو ہموار کرتے ہیں۔ اس شور و غل کا اثر یہ ہوا کہ غربت کے خاتمے کا پروگرام وجود میں آیا اور ویت نام سے فوج کو واپس لانے کی تحریک نے جنم لیا۔ اسی زمانے

میں یعنی 1964ء میں میرے ملک پاکستان کو ایک اہم مسئلے کا سامنا تھا، مشرقی پاکستان میں عمومی بے اطمینانی، بنگال میں پھیلی ہوئی اجنبیت، ان کا احساس محرومی، ان کی شکایات اور مطالبات۔ میں اس زمانے میں مشرقی پاکستان کے شہر کومیلہ میں رہتا تھا، میں بنگالی اخبارات کا مطالعہ اور بنگالیوں سے بات چیت کرتا تھا، ہمیں احساس تھا کہ ہم ایک بڑے قومی بحران سے دوچار ہیں، جو امریکہ میں کالوں کے ساتھ امتیازی سلوک اور ویت نام کی جنگ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ لیکن اسی زمانے میں جب میں کراچی آتا تھا، تو یہاں کے اخبار پڑھ کر ایسا لگتا جیسے کسی بحران کا وجود ہی نہ ہو، مشرقی پاکستان میں پھیلی ہوئی بے اطمینانی، محض مٹھی بھر شر پسندوں کی وجہ سے تھی جو ہمارے پرانے دشمن ہندوؤں کے بہکاوے میں آگئے تھے، ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ بنگالی مسلمانوں کو دوبارہ اسلام اور پاکستان کے نظریے سے آشنا کیا جائے، ظاہر ہے اس



شرکائی ترقی کے مایہ ناز راہنما ڈاکٹر اختر حمید خان (مرحوم) کا شمار دنیا کی ان عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے قوم کی نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض کی درست تشخیص کی اور ایسی راہیں تجویز کیں جن پر عمل کر موجودہ گرداب سے نکلا جاسکتا ہے۔ تقریباً 30 سال قبل لکھی گئی ان کی تحریر آج کے حالات پر بھی ہو بھصادق آتی ہے۔ ایسا لگتا ہے ہم دائروں میں سفر کر رہے ہیں۔

اپنی مشہور نظم ”شکوہ“ میں ہمارے عظیم شاعر علامہ اقبال نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم خدا سے بھی شکوہ کر سکتے ہیں، اور ہمارے بزرگ صوفی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محبت کرنے والوں کی شکایات ناپسند نہیں کرتا۔ اپنے اتنے بڑے پیش روؤں کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے میں اپنے اخباروں سے شکایت کر رہا ہوں، اس توقع کے ساتھ یا تو مجھے معافی مل جائے

گی یا میری بات کو نظر انداز کر دیا جائے گا، کیوں کہ تمام پڑھے لکھے لوگوں کی طرح مجھے بھی اخبار پڑھنے کی لت ہے، اگر کسی صبح اپنی روزانہ خوراک ”ڈان“ اور ”جنگ“ نہ ملے تو میرے اندر نشے کی توڑ والی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ میں ان دونوں اخباروں کا 1951ء سے حلقہ بگوش ہوں، جب سے میں پاکستانی بنا۔

لیکن پاکستانی اخباروں کے علاوہ میں برطانوی اور امریکی اخباروں کا بھی رسیا ہوں، میرا اس نسل سے تعلق ہے جس کے بڑے بڑے رہنما جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں، مختلف تہذیبی اجزاء کا مرکب تیار کرنے والے تھے۔ انہوں نے مغربی اقدار۔ روشن خیالی، انسان دوستی، غیر مذہبی سیاست، فرقہ واریت سے دوری۔ کا خیر مقدم کیا۔ ان کے نزدیک انگریزی زبان پاؤں کی بیڑی نہیں تھی بلکہ ایک کامل ہتھیار کی حیثیت رکھتی تھی، اپنی تہذیب سے پوری طرح وابستہ یہ لیڈر اور ان کے پیروکار یعنی ہم لوگ، آج کل کی متعصبانہ، بندر کی سی نقالی سے پوری طرح آزاو تھے۔ میں نے طالب علمی میں ہی بدیشی اخبار پڑھنے شروع کئے اور خوش قسمتی سے اب تک پڑھ رہا ہوں، میری عالمی ادب کی یہ لت برطانوی اور امریکی یونیورسٹیوں میں تعلیم کی وجہ سے تقویت پاتی رہی۔

تقابل عام طور پر غیر پسندیدہ ہوتا ہے، لیکن ایک بوڑھے کے لئے، جس کا

ہم نے اپنی تاریخ کو بھی مقدس اور متبرک بنا لیا ہے، اپنے اماموں اور اسلاف پر تنقید یا ان پر اعتراض کرنا گویا ان کی بے حرمتی کرنا ہے، صرف رافضی یا خارجی ان کی برائی تیرے کی شکل میں کر سکتے ہیں۔ ہم اپنے شاہی دور سے بہت مسحور ہیں ہم کو بار بار یہ بتایا جاتا ہے کہ ماضی میں ہم بہترین اور عظیم ترین تھے، لہذا منطق کی رو سے آج بھی ہم بہترین اور عظیم ترین ہیں گویا ہم مظاہر عظیم ترین نہ رہے ہوں، لیکن بہترین ضرور ہیں۔ اور اگر ہم اپنے اسلاف کے نقش قدم پہ چلیں تو دوبارہ عظیم ترین ہو سکتے ہیں۔ ہماری گذشتہ عظمت کے بار بار پیٹے جانے والے ڈکے نے ہم کو بڑائی کے ناقابل اصلاح خبط میں مبتلا کر دیا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے زوال اور ہماری شکست ہماری اپنی اندرونی کمزوری یا تضاد نہیں بلکہ دشمن کی ریشہ دوانی اور سازش تھی، ہم کو خبردار کیا جاتا ہے کہ آج بھی ہمارے پرانے دشمن ہمارے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں مصروف ہیں۔ ہم کو پیش آنے والے زوال کی اس آسان تشریح نے اور اس اطلاع نے کہ ہمارے دشمن آج بھی ہمارے خلاف سازش میں مصروف ہیں، ہم کو بالخصوص مریض بنا دیا ہے، بڑائی کے خبط اور بالخصوص اس آئینے سے ہمارا ایمان تو بچنے ہو جاتا ہے لیکن اس کی وجہ سے ہم غیر جذباتی تجربے، خود تنقیدی کے تکلیف دہ عمل اور ماضی و حال کے متوازن جائزے سے قاصر رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہمارے لئے مستقبل کی ایمان دارانہ منصوبہ بندی ممکن نہیں رہتی۔ ہمارے اخبارات اور ذرائع ابلاغ اسی دائرے میں مصروف عمل ہیں، اور ہماری قدامت پسندی، بڑائی کے خبط اور بالخصوص کو تقویت پہنچاتے رہتے ہیں، اور مجموعی طور پر کئی محدودات سے قطع نظر وہ اپنا یہ کام حیران کن عمدگی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔

ہر صبح میں پہلا کام یہی کرتا ہوں کہ ”ڈان“ اور جنگ اٹھا کر اپنی قوم اور دنیا کے بارے میں پاکستانی نقطہ نظر کی ایک خوراک لیتا ہوں، اور دوسری خوراک ”کانومسٹ“، ”گارجین“ اور ”نیوز ویک“ کی۔ پھر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ پر اس قدر مہربانی کی۔

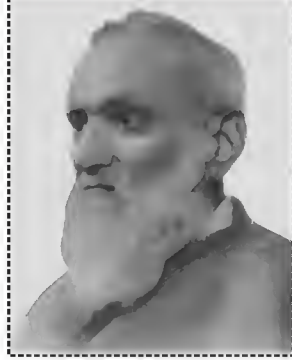
(ڈاکٹر اختر حمید خان کی کتاب ”کو میلا سے اورنگی تک“ سے اقتباس)

وقت ہمارے اخبارات اپنا فرض ادا کرنے سے قاصر رہے۔ اور یہ فرض تھا مسئلے کو سمجھنا، عوام کو اس کے پیچ و خم سے آگاہ کرنا، ان کی سیاسی و معاشرتی تربیت کرنا۔ انجام یہ ہوا کہ بحران ایک انتہائی ہولناک حد تک پہنچ کر ختم ہو گیا۔

ہمارے اخبارات کی ناکامی کا ذمہ دار حکومت وقت کے جبر کو گردانا جاتا ہے، لیکن یہ بات محض جزوی طور پر درست ہے، کسی ملک کی سیاست کی طرح وہاں کے اخبارات اور دوسرے ذرائع ابلاغ بھی اس ملک کے اجتماعی کردار، جذبات، امنگوں اور ذہنی اور روحانی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ عمرانی نقطہ نظر سے کسی ملک کے حکمران یا اس ملک کے اخبار اور ذرائع ابلاغ قومی کردار کے خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔

ہماری تاریخ کا کوئی طالب علم معقولیت کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے، کہ مسلم ممالک میں فوجی آمریت اس لئے پختی ہے کہ ہم اپنے گزرے ہوئے شاہی زمانے کی پرستش کرتے ہیں، فاتح جرنیل ہمارے ہیرو ہیں، اور ہم فوجی پریڈ دیکھ کر خوشی سے پھولے نہیں ساتے۔ کسی بھی معاشرے کے قومی کردار کو بیان کرنا خطرے سے خالی نہیں، لیکن تجرباتی تقسیم کی خاطر محتاط انداز میں کچھ باتیں کہی جاسکتی ہیں، محض ایک سوال اٹھانے کی غرض سے میں کہتا ہوں کہ ہمارے اخبارات اور ذرائع ابلاغ ہماری ان بنیادی خصوصیات کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں، اور وہ ان ہی بنیادی خصوصیات کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

ان بنیادی خصوصیات میں سب سے نمایاں قدامت پسندی ہے، قدامت پسندی کی بنیاد تقلید پر ہوتی ہے، قدامت پسندی ہمیں کافروں (ایمان نہ رکھنے والوں)، زندلیقوں (رسم و رواج کی پیروی نہ کرنے والوں) اور رافضیوں (مخرفوں) سے نفرت سکھاتی ہے۔ قدامت پسندی کا سب سے زیادہ زور رسم و رواج، عبادات اور عقیدہ پر ہوتا ہے، قدامت پسندی سے ہمارے شدید لگاؤ کی وجہ سے نہ صرف یہ رسوم اور عقائد متبرک ہو جاتے ہیں، بلکہ ان کے ساتھ بہت سے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حلقے بھی پاک اور متبرک بن جاتے ہیں، جس چیز کو متبرک قرار دے دیا جائے، اس کی صرف عقیدت کے ساتھ تائید کی جاسکتی ہے، اس پر دنیاوی انداز سے تنقید نہیں کی جاسکتی، عقل کو صرف اس متبرک چیز کی تائید کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ پرکھنے کے لئے نہیں۔



جب انسانی معاشرے میں معاشی تنگ دستی پیدا ہوتی ہے تو اس سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بنیادی اور حقیقی اسباب کا پتہ چلایا جائے اور ان اسباب کے تدارک کے لئے درست حکمت عملی اختیار کی جائے۔

اللہ سندھی فرماتے ہیں ”چند بھوکے انسان ہیں ان کے لئے روٹی کا انتظام نہیں ہے ان کے لئے ایک دن کا انتظام کر دینے سے ان کی بھوک کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اس کا انتظام سوچنے کے لئے کافی وقت اور توجہ کی ضرورت رہے گی۔ یہ ہے بڑا فکر جو جب تک پورا نہ ہو جائے سامنے رہنا چاہئے۔“ (۱)

مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

”فارغ البال لوگوں کا فرض ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملے میں اپنے محتاج بھائیوں کی خبر گیری کریں۔ لیکن کسی محتاج کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبر گیری میں داخل نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنی مدد وپ کے اصول کو بروئے کار لاتے ہوئے ایک آدمی کو

چند بھوکے انسان ہیں ان کے لئے ایک دن کا انتظام کر دینے سے ان کی بھوک کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا

لکڑیاں بیچ کر کمانا سکھایا، یہ ہے اصل محتاجوں کی خبر گیری کرنا آج کل ہماری سوسائٹی میں جس ذلیل طریق سے محتاجوں کو خیرات دی جاتی ہے یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے

اس تناظر میں آج ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لے سکتے ہیں ہم یہ کرتے ہیں کہ وقتی طور پر غرباء کی یا فقیروں کی روٹی و کپڑا وغیرہ سے مدد دی جائے، اطمینان ہو جائے کہ ہم نے انسانیت کی خدمت کر لی ہے، لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ ضروری ہے کہ معاشرے میں ایسے منظم اداروں کو رواج دیا جائے جو کہ ایک طرف معذور اور لاچار افراد کی مدد بھی کریں لیکن ان کی عزت نفس کو مجروح کئے بغیر، اور دوسری طرف وہ افراد جو بیکاری کا شکار ہیں اور ان کے اندر کوئی نہ کوئی کام کرنے کی صلاحیت ہے تو انہیں کام پہ لگایا جائے اور انہیں محنت سے کما کر پیٹ پالنے کی طرف مائل کیا جائے، اور ایسے عناصر کی حوصلہ شکنی کی جائے جو ہاتھ پھیلانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں لاتعداد ادارے معاشرتی خدمت کے مختلف حوالوں سے کام میں مصروف ہیں۔ ان کا یہ کام معاشرے کے مختلف مسائل کو حل کرنے میں کسی حد تک معاون ثابت ہو رہا ہے۔ لیکن یہ ادارے اندرونی اور بیرونی اداروں اور شخصیات سے امداد لیتے ہیں۔ اور عموماً ان فنڈز کا کم ہی حصہ عوامی مسائل کو حل کرنے پہ خرچ ہوتا ہے۔ حقیقی تجزیہ کیا جائے تو لگتا ہے کہ اس طرح

جائے۔ مولانا عبداللہ سندھی کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ ان بنیادی اسباب پر بحث کرتے ہیں اور ان کے تدارک کے لئے حقیقی اور قابل عمل حل بھی پیش کرتے ہیں، ان کا کہنا تھا کہ معاشرے سے طبقاتی سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے سے ہی معاشرے کے تمام طبقات میں دولت کی گردش کو رواں دواں

رکھا جاسکتا ہے۔ اور معاشی حقوق کا تحفظ بھی اس وقت ہو سکتا ہے جب معاشرے کا اقتصادی نظام اجتماعیت کی کفالت کے نظریے پر مبنی ہو۔ صرف ایک مخصوص طبقے کی کفالت پر استوار معاشی نظام انسانوں کے معاشی حقوق کو تحفظ فراہم نہیں کر سکتا۔ لہذا ضروری ہے کہ معاشرے میں اجتماعی طور پر ایک ایسا اقتصادی نظام موجود ہو جو ایسے مواقع پیدا کرے جہاں ہر شخص برابری کے مواقع کے ساتھ اپنی معاشی جدوجہد کر سکے اور اپنی خاندانی کفالت کے ساتھ ساتھ قومی ترقی میں بھی کردار ادا کر سکے۔

اگر اس معاشرے کا تجزیہ کیا جائے تو طبقاتی نظام معیشت کی وجہ سے تمام وسائل دولت پر ایک مخصوص طبقہ وادیش دے رہا ہے اور اکثریتی محنت کش طبقہ وسائل اور مواقع سے محروم تنگ دستی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اور یہ محروم المعیشت طبقہ ہمیشہ کے لئے سرمایہ دار طبقہ کا دست نگر بن کر زندگی گزارتا ہے۔ اس کیفیت سے نکلنے کے حوالے سے ہمارے معاشرے میں دو طرح کے نقطہ ہائے نظر موجود ہیں پہلے کا طریقہ عمل انفرادی سطح پر غریبوں کی مدد کرنا اور دوسرے کا طبقاتی نظام کے خاتمے کے لئے انقلاب برپا کرنا، اگر گذشتہ ستر سالہ تاریخ کا تجزیہ کیا جائے تو دونوں نے جس طریقہ کار کو اپنایا ہوا ہے اس کے نتیجے میں ناکامی اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔ اول الذکر مکتبہ فکر کی رہنمائی کے لئے مولانا عبید

تک محدود ہو کر بیٹھ جائیں اور عوام کو تنظیمی ترقی اور معاشی استطاعت سے محروم رکھ کر ذلت اور پستی کے حوالے کئے رکھیں اور اس مفلوک الحال طبقے کے مسائل کو سمجھنے اور ان کے حل کے لئے ان کی طرف رخ نہ کریں، اور فقط پڑھے لکھے طبقے تک اپنے زبانی جمع خرچ کو سالہا سال تک آزماتے رہیں۔ تبدیلی کے جو بنیادی تقاضے اور قوت محرکہ (عام لوگ) ہیں ان سے عملی طور پر کنارہ کشی سے کبھی ”انقلاب“ برپا نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک انسان دوست انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ عملی طور انسانیت کی خدمت کی مشقیں کروائی جائیں، انقلابیوں کی عملی تربیت مسائل میں ڈوبی ہوئی خلقت کیساتھ اشتراک عمل کے بغیر

ممکن نہیں ہو سکتی، انقلاب کے لئے صحت مندرجہ اور صحت مند دماغ اور مناسب تنظیم درکار ہوتی ہے

اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ مقامی، علاقائی عادات، رجحانات اور تقاضوں سے ہٹ کر بیرونی سوچ اور رجحانات کے مطابق پالیسیوں سے لیس خدمت کے اداریے معاشیے میں اجنبی نظر آتے

اور اس کا ”اصل راستہ“ عام گلیوں اور محلوں سے ہو کر گذرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا سندھی ایسے فلسفیوں اور اہل علم پر تنقید کرتے ہیں جو کہ فلسفیانہ مشگافیوں میں مصروف ہیں اور عملی طور پر انسانوں کی خبر گیری اور ان کو اپنے پاؤں پہ کھڑا کر کے ترقی کی راہوں پہ ڈالنے کی جدوجہد نہیں کرتے۔ آپ فرماتے ہیں ”ہم انسانیت کی خدمت کرنے کی بجائے فلسفیانہ موشگافیوں اور درواز کار بحثوں میں پڑ گئے اور کمزوروں کو کمزور رکھ کر ان کا خون چوسنے کے فلسفے کے جواز میں بڑی بڑی بحثیں کرنے لگ گئے حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ بیکاروں (Unemployed) کو کام پر لگانے کے ذرائع پر غور کرتے۔“ (۳) لہذا ”انقلاب برپا“ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں سے رابطہ کیا جائے، انہیں کام پہ لگانے کی ترکیب کی جائے، ان کے دکھ درد اور مشکلات کو سمجھا جائے اور انہیں اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو کر اپنا حق لینے اور اپنے مسائل حل کرنے کا گر سمجھایا اور سکھایا جائے۔ اسی سے ان کی تنظیم بنے گی، اسی سے وہ کسی اجتماعی عمل میں آنے کے قابل ہوں گے۔ اس مقصد کے لئے مولانا سندھی تجویز کرتے ہیں کہ ”اسباب و مواقع کی وجہ سے جو لوگ کامیاب نہ ہو سکیں انہیں اتنی مدد دی جائے کہ وہ اپنے کام کے آلات فراہم

لوگوں کو اپنے پاؤں پہ کھڑا کرنے کی بجائے انہیں مزید محتاجی کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ یہ ادارے ایک نئی طرح کی پرائیویٹ کمپنیوں کی شکل اختیار کر چکے ہیں جہاں بیوروکریٹک انداز حکمرانی اقربا پروری اور مالی بددیانتی کا کلچر معاشرہ میں ان کے بارے میں منفی تاثر ابھارنے کا باعث بنتا ہے۔ اس عمل سے دیگر خرابیاں بھی پیدا ہو رہی ہیں مثلاً ایک حلقہ کی ان اداروں پر تنقید یہ ہے کہ یہ ریاستی ظالمانہ استحصالی نظام میں پسے ہوئے افراد معاشرہ کو ریاستی اداروں کے استحصالی کے خلاف شعور دینے کی بجائے ان کے وقتی مسائل کو کسی حد تک حل کر کے، انہیں گویا مطمئن کر دیتے ہیں یا ان کے ان جذبات کو سرد کر دیتے ہیں

جو کہ اس نظام کے خلاف تبدیلی کے حوالے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی عام بحث موجود ہے کہ عالمی سطح پر کام کرنے والی این جی اوز کے عالمی سطح کے

سیاسی، معاشی مفادات ہوتے ہیں اور وہ ان مفادات کی تکمیل کے لئے مقامی افراد اور اداروں میں اپنی جگہ بنا کر اپنے ممالک کے مفادات کے لئے کام کرتی ہیں۔ یقیناً جب آپ کسی سے معاشی مدد لیتے ہیں تو پھر آپ اس کی پالیسی اور حکمت عملی کے پابند ہو جاتے ہیں۔ ایسی این جی اوز جو کہ فقط لوگوں میں خیرات تقسیم کرتی ہیں ان کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے اس کام کے اجتماعی طور پر کوئی نتائج پیدا نہیں ہو رہے۔ وقتی مدد تو ہو سکتی ہے لیکن معاشرے کے اپنے پاؤں پہ کھڑے ہونے کی کوئی صورت بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ مفت کا کھانے اور امداد کے لئے اداروں کی طرف دیکھنے کی عادت پختہ ہوتی جا رہی ہے۔ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر مسائل کا تماشہ دیکھنا ایک عادت سی بنتی جا رہی ہے۔ اسی طرح وہ طبقہ جو ”انقلاب“ کا داعی ہے اس کی بھی غلط فہمی کو دور کرنے کی ضرورت ہے کہ عادلانہ اقتصادی نظام کسی ”دیو مالائی انقلاب“ کے نتیجے میں ظاہر نہیں ہوگا اور مولانا سندھی کے انقلابی نقطہ نظر و فکر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سرمایہ داری نظام کے خلاف انقلابات کے نام پہ فلسفیانہ موشگافیوں میں ہی ساری توانائیاں صرف کر دی جائیں، اور معاشرے کی بد حالی اور مشکلات سے غافل ہو کر بند کروں

کر کے اپنا کام جاری کر سکیں ایک کارگیر کے پاس اپنے کام کرنے کے
 اوزار نہ ہوں تو وہ ضائع ہو جائے گا اسے اس فنڈ سے روپیہ دینا جائز ہے
 اس کے بعد وہ قوم کا ایک مفید فرد بن جائے گا۔“ (۴) اس سے یہ واضح ہوا
 کہ اگر انفرادی سطح پر یا ادارہ جاتی سطح پر واقعی لوگوں کی مدد مطلوب ہے تو
 انہیں معاشی مدد اور آلات فراہم کئے جائیں تاکہ وہ خود

سے اپنی روزی کمانے کے قابل ہو
 سکیں۔ اس کی آج کئی صورتیں ہو سکتی
 ہیں مثلاً ایک موٹر مکینک، ویلڈر،
 کار پیئٹر، کھانے کی اشیاء بنانے
 والا، ڈرائیور، تجارت کی سمجھ اور
 تجربہ رکھنے والا، زراعت کے ساتھ
 منسلک ہنرمند افراد جو کہ زرعی مشینری کو

**”انقلاب برپا“ کرنے کے لئے
 ضروری ہے کہ لوگوں سے رابطہ کیا
 جائے، انہیں کام پہ لگانے کی ترکیب کی جائے،
 ان کے دکھ درد اور مشکلات کو سمجھا جائے اور
 انہیں اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو کر اپنا حق لینے
 اور اپنے مسائل حل کرنے کا گھر
 سمجھایا اور**

بغیر اوزاروں اور مشینری کے وہ کام نہیں کر سکتے اور بیروز
 گار ہیں، اسی طرح کمپوٹر سے کام کرنے والے ہنرمند جن کے پاس اتنی
 استطاعت نہیں کہ وہ آئی ٹی ٹیکنالوجی خرید سکیں اور اپنا کاروبار شروع کر
 سکیں انہیں آسان قرضہ جات فراہم کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے میں
 مدد دی جائے نیز ضرورت مند افراد کو مختلف شعبہ جات سے متعلقہ ان کی
 صلاحیتوں کے مطابق فنون سکھا کر بھی انہیں اس قابل بنایا جاسکتا ہے کہ وہ
 اپنا کام شروع کر سکیں اور معاشی خود کفالت حاصل کر سکیں۔ کیا یہ ضروری
 نہیں کہ معاشرے کے اندر اپنے مسائل کو خود حل کرنے کی روش پیدا کی
 جائے کسی بھی کمیونٹی کی بڑی خدمت یہ ہے کہ اسے اپنے پاؤں پہ کھڑا کیا
 جائے اور ان میں سماجی اور سیاسی تنظیم پیدا کی جائے۔ یہ اس وقت ہی ممکن
 ہو سکتا ہے جب انفرادی سطح سے لیکر اجتماعی سطح تک، خدمت خلق کرنے
 والے یہ ادارے لوگوں کو اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت اپنے مسائل حل
 کرنے کی طرف راغب کریں اور ان میں مقامی سطح پر ایسی تنظیمیں پیدا
 کریں جو کہ کچھ عرصے کے بعد اپنی مدد آپ کے تحت اپنے مسائل کو خود حل
 کر سکیں اور یہ عمل آگے چل کر پہلے مرحلہ میں مقامی اور پھر ریاستی و قومی
 سیاسی اداروں کی درستی یا ان میں تبدیلی کا باعث بھی ہوگا۔ اپنے مسائل
 اپنی بساط میں رہ کر اس طرح حل کرنا کہ کسی کی محتاجی نہ رہے یہی اصل

راستہ ہے۔ معاشرے میں کام کرنے والی مقامی این جی اوز اور خدمت
 خلق کے اداروں کی یہ انتہائی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے میں تکنیکی
 تربیت اور راہنمائی کے ساتھ ساتھ ان کے اندر خود کفالت کا بھی شعور پیدا
 کریں۔ کم لاگت سے تعاون باہمی کے عمل سے مسائل کو حل کرنے اور اس
 کے ساتھ ساتھ انہیں ریاستی اداروں کی حقیقی ذمہ داریوں
 کے شعور سے بھی آگاہ کریں اس طرح لوگ
 ریاستی اداروں پر نظر بھی رکھ سکتے ہیں
 اور ان کی فعالیت میں اہم کردار بھی
 ادا کر سکتے ہیں۔ مقامی سطح کی
 تنظیمیں افراد کی خدمت خلق کی
 تربیت اور شعور کی پختگی کے بعد انہیں
 لوکل باڈیز کا حصہ بننے کیلئے تیار کریں۔
 لوکل باڈیز کی درست حکمت عملی یہ ہو کہ اداروں
 کے محدود وسائل کو اس انداز سے بروئے کار لایا جائے کہ
 مقامی مسائل حل ہو سکیں۔ نیز عوامی شعور کی اس قدر آبیاری ہو کہ وہ اداروں
 پر دباؤ برقرار رکھیں کہ جو وسائل موجود ہیں ان کے بھرپور اور شفاف
 استعمال اور اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت مسائل کو حل کیا جائے۔ لہذا
 اس سے دو قسم کے مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں، ایک تو یہ کہ مقامی
 ادارے کم وسائل کا نعرہ لگا کر بیرونی قرضوں کی ڈیمانڈ نہیں کریں گے اور
 دوسرا عوامی شرکت کو یقینی بنا کر اور تکنیکی رہنمائی مہیا کر کے ان کی فعالیت کو
 بھی بڑھایا جاسکتا ہے۔ اور قوم آہستہ آہستہ اپنے محدود وسائل سے ہی اپنے
 مسائل حل کرنے میں کامیاب ہوگی اور بیرونی قرضوں کا بوجھ کم ہوتا چلا
 جائے گا۔ اگر کوئی ادارہ اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہا، یا وہ خود مسائل کا
 شکار ہے تو اس کے حل کے لئے اور ان اداروں کی اصلاح اور انہیں اپنا کام
 درست طور پر کرنے کے حوالے سے مل جل کر جدوجہد کا احساس دلایا
 جائے۔ اداروں کی کارکردگی پر نظر رکھنا اور اپنے مسائل کو حل کرنے کا شعور
 آگے چل کر یقیناً ”انقلاب“ کا پیش خیمہ بن سکتا ہے

(حوالہ جات) قرآنی شعور انقلاب، از مولانا عبید اللہ سندھی،
 ص ۹۱، ۲۰۳، ۲۹۸، ۳۹۵

اقبال بڑا بدینک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے

گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

لگتا ہے اقبال نے اس شعر میں موجودہ صورت حال کی ہی تصویر کشی کی ہے بحث و مباحثہ اور فلسفیانہ موشگافیوں نے نوجوانوں کو اپنی مٹی، اپنے لوگوں کے حقیقی مسائل اور اس کے عملی حل سے بے گانہ کر دیا ہے۔ نوجوان مشرق اور مغرب کے فلسفوں پہ تو سیر حاصل بحث کرنے میں گھنٹوں صرف کرتے ہیں، لیکن ان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اپنے گلی اور محلے میں بکھرے انسانی مسائل پہ توجہ دے کر ان کے سد باب کے لئے کچھ عملی کام کر سکیں۔ المیہ یہ ہے کہ نوجوان نسل کو عملی انسانی خدمت کی تربیت کا ہمارے ہاں کوئی مناسب اور قابل عمل نظام کسی بھی مکتبہ فکر کے پاس موجود نہیں۔ جس کے نتیجے میں معاشرے میں بے عملی اور عوامی مسائل سے عدم آگاہی اور عوامی سطح پہ اجتماعی تنظیمی عمل کا انتہائی درجے کا

فقدان ہے۔

لیکن اس مایوس کن صورتحال میں بہت ہی کم لیکن کسی نہ کسی سطح پہ امید اور روشنی کی کرن ہمیشہ موجود رہی ہے، یہ امید اور روشنی کی کرن معاشرے کے وہ افراد ہیں جو گمنامی کی زندگی گزارتے ہیں، انہیں کسی شہرت یا مال و زر کی لالچ نہیں ہوتی، جو زبان سے بھی معاشرے کی پسماندگی اور مسائل کا تذکرہ کرتے ہیں

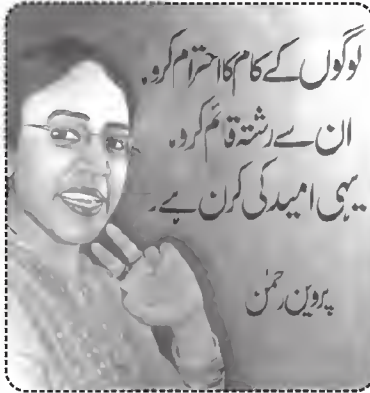
اور ان کے حقیقی اسباب سے نہ صرف معاشرے کو روشناس کراتے ہیں بلکہ ان کا حقیقی میدان ”عمل کا میدان“ ہوتا ہے، ان کی وہ عملی کاوشیں ہی ان کی پہچان ہیں جو وہ لوگوں کے ساتھ مل کر گلی محلوں میں انجام دیتے ہیں۔ وہ صرف پسماندگی، غربت اور بنیادی مسائل پہ بحث نہیں کرتے بلکہ ان مسائل کے حل کے لئے عملی طور پہ گلی محلے میں جاتے ہیں، لوگوں سے مل کر ان کے مسائل سے حقیقی آگاہی حاصل کرتے ہیں اور پھر ان مسائل کے حل کے لئے لوگوں کو تیار کرتے ہیں، ان کا ساتھ دیتے ہیں لوگوں کو مسائل کے حل کے لئے، فنی، تربیتی، اخلاقی اور علمی جس نوعیت کی بھی کی مدد و کار ہوتی ہے اس کا بندوبست کرتے ہیں، معاشرے کی پسماندہ بستیاں ان کی

جدوجہد کا میدان ہوتی ہیں، عملی طور پہ وہ انسان دوستی کا ایکر ہوتے ہیں جن کی زندگی کا مقصد محروم و پریشان حال لوگوں کو مسائل سے نکالنا ان کی پریشانیوں کو دور کرنا، انہیں مسائل کے حل میں اس طرح مدد دینا اور ان کی اس انداز سے تربیت کرنا کہ وہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونا سیکھیں اور خود سے اپنے گرد و پیش کے مسائل کو حل کر سکیں۔

ایسی ہی ایک انسان دوست شخصیت پروین رحمان شہید کی تھی جنہیں 13 مارچ 2013ء کو کراچی میں شہید کر دیا گیا۔ حسب دستور اس ملک پر مسلط استحصالی قوتوں نے امیدوں کا ایک اور چراغ گل کر دیا۔ ایک پڑھی لکھی، درویش صفت، باہمت اور انسان دوست شخصیت جس کے شب و روز فقط لوگوں کے بنیادی مسائل کے حل کی تگ و دو میں گذرتے تھے، کو منظر سے بے رحمی سے ہٹا دیا گیا۔

مجھے یہ سعادت ملی کہ میں ان کے ویران اور عملی کاوشوں کا مطالعہ کر سکوں،

اور ان کے اس عملی پروگرام کو سیکھنے کے لئے اس کا حصہ بن سکوں جو انہوں نے ڈاکٹر اختر حمید خان سے سیکھا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ انہوں نے ڈاکٹر اختر حمید خان سے وہ ”درویشی“ سیکھی، جو کہ گلی محلے کے غریب اور پسماندہ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر، ان کے دکھ درد بانٹ کر حاصل ہوتی ہے اور عوامی مسائل کو حقیقی معنوں میں حل کرنے کی



لوگوں کے کام کا احترام کرو۔
ان سے رشتہ قائم کرو۔
یہی امید کی کرن ہے۔
پروین رحمان

آگئی اور ایک عملی انسان دوست بننے کا گر سیکھا اور پھر اپنے انسان دوست ”مرشد“ کی پیروی میں اپنی زندگی انسانیت کی عملی خدمت کے لئے وقف کر کے دیانتداری، بے غرضی اور انسان دوستی کی بہترین مثال قائم کر دی، اور اسی مقصد کی آبیاری کرتے ہوئے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

پروین رحمان شہید نے معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی عملی خدمت کے اس مشن کو جس کی شروعات ڈاکٹر اختر حمید خان نے کراچی اورنگی ٹاؤن سے کی، کو بحیثیت جانشین، نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑھایا، اور ملک کے چاروں صوبوں کی پسماندہ آبادیوں تک اسے پھیلایا، اورنگی ٹاؤن کراچی کے مرکز سے عملی تربیت کے نظام کے ذریعے سے بے شمار خواتین و

سٹم کو بڑے سے بڑے پیانے پہ پھیلا نا مقصود ہو تو اس کے چھوٹے چھوٹے حصے بنانے پڑتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو ادارے کے پروگرام کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے اور پھیلاؤ بھی ہوتا ہے۔

آج موضوع سخن Component Sharing ماڈل ہے۔ کمپونٹ شیئرنگ کیا ہے؟ اس لفظ کے کیا معنی و مطلب ہے؟ اس میں بھی ڈی سینٹر لائزیشن ہے کہ آپ کسی کام کے چھوٹے چھوٹے حصے کریں تاکہ کام میں Coordination پیدا ہو سکے۔

سینیٹیشن کے حوالے سے جب بات کریں تو محلے کی سطح پہ ایک سیور لائن ہوتی ہے اور محلے اور علاقہ سے باہر مین لائن اور شہر سے باہر وائرٹرینٹ پلانٹ ہوتا ہے۔ محلے کی سطح پہ ایک تو گھر کی لیٹرین، پھر گلی کا سیور اور پھر گلیوں کو ملانے والے محلے کی سطح کا سیور شامل ہے۔ محلے کی سطح پہ کام کو انٹرل ڈیولپمنٹ کہتے ہیں۔ اور یہ کام لوگ خود اپنی مدد آپ کے تحت انجام دیتے ہیں حکومت کو ان کو سراہنا چاہئے۔ اور محلے سے باہر کی سطح پہ کام کو ایکسٹرل ڈیولپمنٹ کہتے ہیں۔ اور یہ کام حکومت کو کرنا ہوتا ہے۔ تو اس سٹم کو ہم کمپونٹ شیئرنگ یا ”شرکتی ماڈل“ کہتے ہیں۔ اس ماڈل پہ پاکستان میں مختلف جگہوں پہ کام ہو رہا ہے جو ادارے اس حوالے سے کام کر رہے ہیں ان کا ساتھ دیں ان کے کام کو مضبوط بنانے میں کردار ادا کریں۔ کیونکہ دیکھا جائے تو لوگ پوری طرح سارا کام نہیں کر سکتے اور حکومت بھی پوری طرح سارا کام نہیں کر سکتی لہذا حکومت کے کام میں لوگوں کی شمولیت ضروری ہے۔ مثلاً لوگ اپنی گٹر لائن ڈالتے ہیں ایک تحقیق ہوئی ہے کہ گٹر لائن کی تعمیر کی لاگت اگر حکومت کرتی ہے ٹھیکہ داروں کے ذریعے تو وہ 6 سے 10 روپے آتی ہے۔ اور یہی کام لوگ ایک روپے میں کر لیتے ہیں۔

اسی طرح یہی کام آئی ایم ایف اور عالمی بینک کے قرضوں سے 25 سے 30 روپے میں کئے جاتے ہیں، اور اس کا سراسر نقصان ہی ہوتا ہے جب آپ بیرونی قرضے لیتے ہیں تو حکومت دو شرائط پہ دستخط کرتی ہے: 1۔ انٹرنیشنل کنٹریکٹر 2۔ انٹرنیشنل کنسلٹنٹ۔۔۔ وہی ڈیزائن جو ہمارا انجینئر پاکستان میں بناتا ہے وہ 20 ہزار روپے تنخواہ لیتا ہے لیکن باہر کا کنسلٹنٹ 20 ہزار ڈالر لیتا ہے۔

اب کمپونٹ شیئرنگ کیوں ضروری ہے؟ کیوں نہ سب کام حکومت

حضرات کو ”انسان دوستی“ کے اس عملی پروگرام کا حصہ بنایا، وہ لوگ آج اپنے اپنے مراکز میں اس پہ کام کر رہے ہیں اور اس کے بہترین نتائج سے عام لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، پروین رحمان اکثر اوقات ملک کے مختلف تعلیمی اداروں کا بھی دورہ کرتی تھیں جہاں وہ اپنے پروگرام کو نو جوان نسل تک پہنچانے کی کوشش کرتی تھیں، اسی طرح کے ایک پروگرام میں جو کہ مورخہ 16 اپریل 2010 کو یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور کے شعبہ ”سٹی اینڈ ریموڈنگ پلاننگ“ میں منعقد ہوا، میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا، اس پروگرام میں ہونے والی ان کی بات چیت کو میں نے ریکارڈ کر لیا تھا، اس نشست میں انہوں نے ایم ایس سی اور بی ایس کے طلباء و طالبات جو کہ مستقبل کے آرکیٹیکٹس اور ٹاؤن پلانرز بننے والے تھے سے بات چیت کی۔ محترمہ پروین رحمان شہید کی نو جوانوں سے بات چیت ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

”بہت بہت شکریہ کہ آپ لوگوں کے ساتھ ملنے کا موقع مل رہا ہے۔ میں آرکیٹیکٹ ہوں اور ابن پلاننگ کی تعلیم بھی حاصل کی ہے۔ میں نے اورنگی پائلٹ پراجیکٹ 1983ء میں کام شروع کیا۔ 1980ء میں اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کی بنیاد رکھی گئی اس کے بعد 1988ء میں تین ادارے بن گئے۔ اوپی پی ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ OPP-RTI جس کی میں دیکھ بھال کرتی ہوں، جو کہ سینیٹیشن، ایجوکیشن، ہاؤسنگ اور آب و اثر سپلائی پہ کام کر رہا ہے۔ دوسرا ادارہ ORANGI CHARITABLE TRUST (اورنگی چیریٹی ایبل ٹرسٹ) اورنگی جو کہ کریٹڈ پروگرام کی دیکھ بھال کرتا ہے اور تیسرا OPP-KHASDA جو کہ ہیلتھ پروگرام پہ کام کرتا ہے۔

اوپی پی OPP اب پائلٹ پراجیکٹ نہیں رہا بلکہ تین اداروں کی صورت میں ڈھل گیا ہے۔ میں یہ بات اس لئے بتاتی ہوں کہ جب بھی ادارے شروع ہوتے ہیں وہ پائلٹ ہوتے ہیں لیکن جیسے جیسے پھیلاؤ بڑھتا جاتا ہے تو وہ اگر چھوٹے چھوٹے اداروں میں بدل جائیں تو وہ تادیر چل پاتے ہیں۔ اس کو ڈی سینٹر لائزیشن اپروچ کہتے ہیں جس کے تحت ہم لوگ کام کر رہے ہیں۔ اس لفظ کو آپ تھوڑا سا یاد رکھئے گا، کیونکہ جب ہم اپنے پروگرام بتائیں گے جیسا کہ کم لاگتی Low Cost سینیٹیشن، ہاؤسنگ، ایجوکیشن اس میں ہمارا فوکس ہوگا ڈی سینٹر لائزیشن۔ اگر کسی

کرے، حکومت کا کام ہے سینی ٹیشن مہیا کرے۔ لوگ اس میں کیوں شامل

ہوں؟ دراصل حکومت کوئی کام کرتی ہے لیکن لوگوں میں اوزر شپ کا احساس موجود نہیں ہوتا، سیور لائنیں موجود ہیں ان کی صفائی نہیں ہوتی وہ بند پڑی ہوتی ہیں۔

کسی معاشرے میں سب سے قوت والی چیز پیسہ ہوتا ہے یا ہندو۔ جیسا کہ ہمارے معاشرے میں ہے۔ اور ایسی صورت حال میں جو زیادہ پیسے والا یا طاقتور ہوگا وہ سب کچھ حاصل کرے گا۔ لیکن حکومت کس لئے بنتی ہے، حکومت صرف طاقتوروں کو سروس مہیا کرنے کے لئے نہیں

بنتی۔ اگر ڈسٹری میں دیکھیں تو گورنمنٹ کا مطلب ہے

”ان لوگوں کی دیکھ بھال اور ضرورتوں کا خیال رکھنا

جن کی دیکھ بھال کرنے والا اور ضرورت پوری

کرنے والا کوئی نہ ہو“ گورنمنٹ غریب کے لئے

بنتی ہے تاکہ غریب کے لئے کوئی بہتری یا

سہولت ہو سکے۔ کیونکہ میر طبقہ تو اپنا خیال خود رکھ

سکتا ہے لیکن غریب کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور

گورنمنٹ بنتی ہی غریب کی ضرورت کے لئے

ہمارے ہاں دیکھئے زیادہ تر بجٹ ڈیفنس میں جاتا ہے

اور باقی قرضے کی مد میں، ترقی کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ کئی بلین

ڈالر کا قرضہ ہے جن میں 38.7 فیصد قرضے مقامی بینکوں کے ہیں جبکہ

باقی باہر کے مالیاتی اداروں کے۔ اسی وجہ سے ہمارے سٹیٹ بینک کے

گورنر کا انتخاب آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کرتے ہیں۔

جب آپ قرضہ لیتے ہیں تو جس نے قرضہ دیا ہے وہ رفتہ رفتہ آپ کی پوری

جاگیر کو کنٹرول کر لیتا ہے اس وقت پاکستان کی صورتحال یہ ہے کہ آپ کی

تمام معاشی پالیسی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے کنٹرول میں ہے۔ ظاہر

ہے جس سے آپ نے قرضے لئے وہی آپ کو کنٹرول کرے گا جب آپ

قرضے واپس نہیں دیں گے تو ایسا ہوگا۔ عام مثال ہے کہ آپ کسی رشتہ دار

سے قرض لیں اور لمبے عرصے تک واپس نہ کریں تو وہ ایک وقت آئے گا یہ

کہے گا کہ اپنے زیورات بیچو، اپنی جائیداد بیچو اور میرا قرضہ لٹاؤ۔ تو دیکھا

جائے تو ہمارے زیورات ہمارا قیمتی اثاثہ مثلاً کراچی میں الیکٹرک سپلائی

کارپوریشن ہے کہا گیا اس کو فارغ کر دو، باہر کی کمپنی کو دے دو۔ اور اس

کے جو پیسے آئیں گے وہ قرضے میں لٹا دو۔

ایک طرف تو یہ صورتحال ہے کہ لوگ تو زندگی بسر کر رہے ہیں لوگ اپنے

بچوں کو تعلیم دے رہے ہیں، اپنے محلے، اپنے گاؤں میں گٹر کی گندگی کو دور

کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، پانی حاصل کرنے کی کوشش میں

مصروف عمل ہیں۔ وہ یہ سب کیسے کر رہے ہیں؟ لوگ اپنی مدد آپ کے تحت

یہ سب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جیسا کہ کراچی میں پانچ سو سے زائد

غریب آبادیاں ہیں۔ حکومت ان کو کچی آبادیاں کہتی ہے۔ ”کچی

آبادیاں“ یہ لفظ موزوں نہیں ہے اس کے استعمال کے پیچھے

ایک غلط تصور موجود ہے۔ جیسے Slums کا لفظ

استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ ہمارے ایشیائی کلچر

میں موجود نہیں ہے۔ یہ تو مغربی کلچر کی اصطلاح

ہے۔ جب Slum کا لفظ بولا جاتا ہے تو ایک

منفی تاثر ابھرتا ہے، گندگی، کرپشن، منشیات کا

گڑھ اور غیر قانونی دھندے وغیرہ

مغرب میں یہ Slums کیسے وجود میں آتے

ہیں؟ اس کی کچھ وجوہات ہیں، کیونکہ ان کے ہاں

خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے، بچے بالغ

ہونے کے بعد الگ کر دیا جاتا ہے، والدین بوڑھے ہونے

کے بعد اولاد ہومز میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ والدین کو بچوں سے ملنے کے

لئے باقاعدہ وقت لینا پڑتا ہے۔ ویسٹ میں Slums ایسے ہی

معاشرے سے بچھڑے ہوئے افراد سے وجود میں آتے ہیں، جہاں جرائم

پیشہ سے لے کر ہر طرح کے افراد رہتے ہیں۔ لیکن ایشیاء اور پاکستان میں

ایسا نہیں ہے یہاں کا خاندانی نظام مضبوط ہے والدین کی تاحیات خدمت

کو ضروری سمجھا جاتا ہے لوگ برے سے برے حالات میں بھی ایک

دوسرے کا ساتھ دینے کی کوشش کرتے ہیں اگر کوئی منشیات کا عادی ہو

جائے تو پوری فیملی اس کے لئے فکر مند ہوتی ہے اسے سڑک پر جانے سے

بچانے کے لئے اپنی سی کوشش میں لگی رہتی ہے۔ ہمارے ہاں جو آبادیاں

ہیں وہ کم آمدنی والے افراد کی آبادیاں ہیں۔ لہذا یہاں پہ Slums کا

لفظ استعمال کرنا بالکل غلط ہے۔

کراچی میں ہم نے کم آمدنی والی آبادیوں کا سروے کیا 70 فیصد کے

پاکستان کی

صورتحال یہ ہے کہ آپ

کی تمام معاشی پالیسی

اور سٹیٹ بینک، آئی ایم

ایف اور ورلڈ بینک کے

کنٹرول میں ہے۔

لگا رہے ہیں اور حکومت کی ڈیولپمنٹ ان تک نہیں پہنچ رہی، ان کو ٹیکنیکل رہنمائی مہیا کریں۔ روایتی طور پر آرکیٹیکٹ کا کردار بلڈر کا ہے لیکن جب غریب کے ساتھ کام کریں تو آپ کا کردار ایک استاد کا ہے۔

1980ء میں ڈاکٹر اختر حمید خان اورنگی ٹاؤن میں آئے تو یہی صورتحال تھی، گلیوں میں ٹوٹ پھوٹ اور گندگی ضرورتھی لیکن لوگ اپنا کام کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اس صورتحال سے نکلنے کا جذبہ ان میں موجود تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے حالات و مسائل کو سمجھا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں، اور یہ طے کیا کہ لوگوں کے کام میں ان کی رہنمائی کی جائے اور انہیں نقشے بنا کر دیئے جائیں، اس طرح سے لوگوں نے از خود ان سے رابطہ کئے اور اپنی اپنی گلیوں میں سیوریج ڈالنے کا آغاز کیا۔

میں نے خود بحیثیت آرکیٹیکٹ ان آبادیوں کی گلیوں کا وزٹ کیا، لوگوں سے ملاقاتیں کیں یہ بتا چلا کہ گلیوں میں گندگی بھینکنے پہ آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں کیوں کہ جب ماحول میں گندگی ہوتی ہے تو ذہن میں بھی گندگی پیدا ہو جاتی ہے ایسے ماحول میں رہنے والے افراد اپنے گرد و پیش کی صورتحال کو ذہنی طور پہ قبول نہیں کرتے۔ لیکن یہ تجربہ ہوا کہ جب ان لوگوں کو موقع ملا اور

ان کی تھوڑی بہت رہنمائی کی گئی تو پھر زیر زمین سیوریج ڈالی گئی لوگوں نے کام شروع کر دیا اس سے ایک اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پہ جب گندگی پھیلی ہوئی ہوتی ہے، عورتیں بیمار، بچے بیمار، سب سے زیادہ عورت اور بچے گلے میں رہتے ہیں مرد کام پہ چلے جاتے ہیں۔ کام کے بعد بھی وہ زیادہ تر وقت باہر کھوکھے پہ بیٹھ کر چائے پینے اور گپ شپ میں وقت گزارتے ہیں عورتیں اور بچے جب ایسی صورتحال میں ہوں گے تو ان کے ساتھ کیا ہوگا؟ بچوں کو بیماریاں گھیر لیں گی، خواتین بیمار اور بچے بیمار ہو جائیں گے تو فیملی کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، جو چھوٹا موٹا کاروبار ہے جس سے زندگی کا نظام چل رہا ہے اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بیماروں کے اخراجات پہ خرچ ہو جائے گی۔ اگر 3000 یا 5000 روپے کما رہے ہیں تو بیماری کی صورت میں گھر کیسے چلا جائے گا۔ گھر کی گندگی کو صاف

قریب لوگوں نے اپنی گلیوں میں خود گٹر لائنیں ڈالی ہیں۔ پوری کراچی میں اپنی مدد آپ کے تحت پانی کی لائن ڈالی گئی ہیں۔ ایک ایک آبادی میں 5 سے 6 پرائیویٹ سکولز موجود ہیں جو لوگوں نے خود قائم کئے۔ وہاں حکومت کے سکول موجود نہیں ہیں۔ ٹیکنیکس قائم ہیں۔ یہ سب صورتحال بتاتی ہے کہ لوگ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے خود کوشاں ہیں۔

ڈاکٹر اختر حمید خان جو کہ اورنگی پبلک پراجیکٹ کے بانی ہیں ان کا ایک طویل تجربہ تھا وہ ہمیشہ کہتے تھے ”غریب مسئلوں میں گھرے رہتے ہیں، لیکن خاموش نہیں بیٹھتے کچھ نہ کچھ وہ ضرور کرتے ہیں“ کوئی گٹر لائن ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اگرچہ کہ وہ انجینئر نہیں، گٹر لائن تھوڑی اونچی نیچی ہو جاتی ہے، اس کی گہرائی درست نہیں ہوتی، کنکشن درست نہیں ہوتا لیکن لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گھر لوگ خود بناتے ہیں، آرکیٹیکٹ نہیں ہوتا، دیواریں درست نہیں بن پاتیں، مینیریل معیاری نہیں ہوتا لیکن کوشش جاری رہتی ہے کہ مکان تعمیر کرنا ہے اور وہ کر لیتے ہیں۔ بہر حال لوگ کام ضرور کرتے ہیں، ان کے پاس جو محدود معلومات ہوتی ہیں وہ انہیں بروئے کار لاتے ہیں، اگر ان کے پاس کی ہوئی ہے تو وہ ٹیکنیکی معلومات کی۔

ہم گریجویٹ ہو کر امیروں کی بلڈنگیں بناتے ہیں، ضرور بنائی جائیں۔ پیسے بھی کمانے چاہئیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کے لئے بھی ضرور کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔ ہم نے دیکھا کہ بنگلہ دیش میں بھی لوگ اپنے مسائل خود حل کرنے کی کوشش میں ہیں۔ شاید ایک نسل حکومت سے کہہ کہہ کے تھک چکی ہے اور اب دوسری نسل نے اپنے مسائل کو خود حل کرنے کے لئے کام شروع کر دیا ہے۔

اسی طرح یہاں بھی لوگ اپنے کام خود کرتے ہیں اپنا پیسہ لگاتے ہیں اب اگر ضرورت ہے تو لوگوں کی ٹیکنیکل رہنمائی کی۔ لوگوں کو یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ پائپ کیسے بچھائیں، سیوریج کی گہرائی کتنی ہو، کنکشن کیسے کرنا ہے، مینیریل کیسا استعمال کرنا ہے وغیرہ پروفیشنلوں کا یہ رول بنتا ہے کہ جہاں غریب لوگ خود کام کر رہے ہیں، اپنا پیسہ

**ہمارے ہاں جو
آبادیاں ہیں وہ کم
آمدنی والے افراد کی
آبادیاں ہیں۔ لہذا یہاں پہ
Slums کا لفظ استعمال
کرنا بالکل غلط ہے۔**

کروانے کے لئے اجرت دے رہے ہیں، بار بار گھر کی مرمت پر خرچ اٹھ رہا ہے۔ اگر گلی صاف ہے سیور ڈالا ہوا ہے، لیٹرین موجود ہے تو وہی خاندان 5000 روپے اگر کما رہا ہے تو اس کے خاندان کے بچے بیمار نہیں ہیں اور وہ انہیں تعلیم دے سکتا ہے۔ اس آمدن میں سے تعلیم کی رقم نکل آئے گی۔ اور پھر کچھ بچا کر چھوٹا موٹا کاروبار شروع کر سکتا ہے۔

یہ غربت Poverty کیا ہوتی ہے؟ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ کی آمدن کتنی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کتنا اور کیسے خرچ کرتے ہیں۔ اگر آپ ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں، گھر کی مرمت پر خرچ کر رہے ہیں، یہ منی اخراجات ہیں، لیکن آپ بچے کو تعلیم دے رہے ہیں، اپنے گھر میں ایک نیا کمرہ تعمیر کر رہے ہیں تو یہ مثبت اخراجات ہیں۔ اگر لوگ اپنی گلی کو اپنی مدد آپ کے تحت بہتر بنانے کے لئے کوئی کام شروع کرتے ہیں تو آپ کی تھوڑی سی رہنمائی ان کو بہت زیادہ فائدہ دے سکتی ہے، یہ رہنمائی گٹر بناتے وقت، سیور ڈالتے وقت، کنکشن کرتے وقت، لیولنگ کے وقت دینی ہوتی ہے۔

کمپننٹ شیئرنگ ماڈل کے اس اصول کو اپناتے ہوئے ہم بیرونی قرضوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں جو کہ اس سیکٹر میں ڈویلپمنٹ کے نام پہ لئے جاتے ہیں۔

ہو، اور یہ خواہش ہو کہ میں نے علم حاصل کیا اور اس علم کو استعمال کر کے پس ماندہ آبادیوں میں کوئی بہتری کا کام ہو سکتا اس کی تلاش کی ضرورت ہے، لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ ہم کام کیسے کریں گے؟ کیونکہ آپ کے پاس یہاں لاہور میں ”معاون تنظیم“ ہے جو مختلف آبادیوں میں اپنی مدد آپ کے تحت کم لاگتی نکاسی آب کے حوالے سے کام کو پھیلا رہی ہے ان کے ساتھ آپ انٹرن شپ کر سکتے ہیں، سیکھ سکتے ہیں اور نہ صرف یہ آپ سروس مہیا کرتے ہیں بلکہ بہت کچھ سیکھتے ہیں۔

غریبوں سے سیکھنے وہ کم پیسوں میں محدود وسائل میں اپنے گھروں کو اپنی گلیوں کو کیسے بناتے ہیں Low Cost کم لاگتی کام کے لئے کوئی لندن کی ٹیکنالوجی کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی واشنگٹن کی ٹیکنالوجی ورکار ہے۔ کم لاگتی ہاؤسنگ، کم لاگتی سینیٹیشن لوگ خود آپ کو بتا رہے ہیں کہ کس طرح کریں، ان سے سیکھئے اور پھر اپنی ٹیکنیکل رہنمائی انہیں مہیا کیجئے۔

پاکستان قرضوں میں جکڑا ہوا ہے اس سے نکلنے کا یہ ایک اچھا طریقہ ہے اور بہت سارے راستے ہوں گے لیکن ہم نے یہ راستہ چنا ہے آپ کراچی میں ہوں، لاہور میں ہوں، بہاولپور میں ہوں، لودھراں میں ہوں، فیصل آباد

نقشہ نہیں ہوگا تو حکومت ورلڈ بینک سے قرضہ لے گی اور علاقوں کا سیور دوبارہ ڈالا جائے گا۔ آپ پروفیشنلز کے کام کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ نقشہ سازی کرتے ہوئے پلان بنائیں۔ کمپننٹ شیئرنگ ماڈل کے اس اصول کو اپناتے ہوئے ہم بیرونی قرضوں کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل

میں ہوں جا کر ضرور دیکھیں کہ لوگ کیسے کام کر رہے ہیں۔ اور پھر اپنے آپ کو ان کی ٹیکنیکل رہنمائی کے لئے تیار کریں۔ امید ہے کہ آپ اپنی ان قومی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوں گے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ پروین رحمان شہید یا ان کی طرح کے دیگر افراد اور ادارے جو کہ دیانت داری اور بے غرضی سے معاشرے کی عملی خدمت میں مصروف ہیں، ان کا ساتھ دینا چاہئے اور اس شعور کو عام کرنا چاہئے

جس کا تعلق عملی انسانی خدمت سے ہے، خاص طور پر نوجوان نسل کو عملی خدمت کے کاموں میں شامل کر کے ان کی عملی تربیت کا ماحول فراہم کیا جائے تو یقیناً ایک مثبت اجتماعی تبدیلی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔

14

آج ضرورت

اس امر کی ہے کہ پروین رحمان شہید یا ان کی طرح کے دیگر افراد اور ادارے جو کہ دیانت داری اور بے غرضی سے معاشرے کی عملی خدمت میں مصروف ہیں، ان کا ساتھ دینا چاہئے اور اس شعور کو عام کرنا چاہئے جس کا تعلق عملی انسانی خدمت سے ہے، خاص طور پر نوجوان نسل کو عملی خدمت کے کاموں میں شامل کر کے ان کو عملی تربیت کا ماحول فراہم کیا جائے تو یقیناً ایک مثبت اجتماعی تبدیلی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔

میں پنی او شراب چاہناں
حشر تیک نہ جدا سرور اترے
سولی میں چڑھناں
تے منصور اترے
استاد دامن

پینے کا صاف پانی اور مناسب سینی ٹیشن ”بنیادی انسانی حق“ محمد شاہد عباسی

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 2010 میں پینے کے صاف پانی اور گندے پانی کی نکاسی کے مناسب انتظام کو انسانی حقوق میں شامل کیا ہے، اس انسانی حق کو بحال کرنے کے لئے ایک مناسب نظام یعنی ضروری وسائل اور باصلاحیت ادارے موجود ہوں جو کہ یہ خدمات سر انجام دیں اور مناسب طریقوں کو بروئے کار لا کر لوگوں کی عادات اور مزاج کو اس حوالے سے تبدیل کریں۔

آج دنیا بھر میں 2.1 بلین لوگ پینے کے صاف پانی کے ذرائع تک رسائی سے محروم ہیں اور 4.5 بلین لوگ مناسب سینی ٹیشن یعنی گندے پانی کی نکاسی کے نظام سے محروم ہیں۔ بڑے پیمانے پر غیر محفوظ

حفاظت صحت کے طریقوں کے پھیلاؤ نے انسانی صحت کا گھیراؤ کیا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بچوں میں اموات کی شرح تباہ کن حد تک بڑھ چکی ہے، ہر سال پانچ سال سے کم عمر کے 340,000 لاکھ بچے ہیضہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں جس کی واحد وجہ حفظان صحت کے اصولوں پر عمل نہ کرنا اور گندے پانی کی غیر مناسب نکاسی یا پینے کے لئے آلودہ پانی کا استعمال ہے۔ یعنی 1000 بچے ہر دن موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

15

غیر مناسب رفع حاجت کی سہولت یا گندے پانی کی غیر مناسب نکاسی کے ماحول میں زندگی گزارنے والے افراد کے پاس کوئی اور چارہ کار نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ غیر مناسب لیٹرینیں استعمال کریں یا کھلی جگہ میں رفع حاجت کے لئے جائیں۔ اور خاص طور پر خواتین اور بچیوں کے لئے بہت مشکل ہوتی ہے کہ انہیں اکثر باہر رفع حاجت کے لئے جانے کے لئے اندھیرا ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے، اور انہیں جنسی ہراساں کرنے کے حوالے سے بھی خطرہ موجود ہوتا ہے۔ اس طرح کھلی فضا میں رفع حاجت کرنے کا نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ گندگی کے جراثیم مکھیوں کے ذریعے کھانے میں شامل ہو جاتے ہیں اور انسانی فضلہ صاف پانی کے ذرائع میں بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح انتہائی خطرناک مرض ریکان کے پھیلنے کا باعث بنتا ہے۔ ناقص سیوریج اور گندگی کو مناسب طریقے سے ٹھکانے نہ لگانے کی وجہ سے ماحولیات کو نقصان پہنچنے کے ساتھ ساتھ اکثر اوقات وبائی امراض بھی پھوٹ پڑتے ہیں۔

ہر سال پانچ سال سے کم عمر کے 340,000 لاکھ بچے ہیضہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں جس کی واحد وجہ حفظان صحت کے اصولوں پر عمل نہ کرنا اور گندے پانی کی غیر مناسب نکاسی یا پینے کے لئے آلودہ پانی کا استعمال ہے یعنی 1000 بچے ہر دن موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

پینے کے قابل صاف پانی کے فوائد اس وقت ہی اٹھائے جاسکتے ہیں جب گندے پانی کی نکاسی اور صفائی کا بھی خیال رکھا جائے۔ جلد اور یقینی صحت اور پانی کی دستیابی جسے، Water And Sanitation Hygiene یعنی WASH کہا جاتا ہے کے وسیع پیمانے پر سماجی معاشی اثرات مرتب ہوتے ہیں خاص طور پر ان خواتین اور بچیوں پر جو درواز علاقوں میں رہائش پذیر ہوتی ہیں۔

پینے کا صاف پانی صاف پانی کے حصول کے لئے باقاعدہ محفوظ پائپ لائن یا بورنگ کی بجائے لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ سطح زمین پر جمع شدہ آلودہ پانی، یا غیر

پینے کا صاف پانی

حفظان صحت

معاشرے کے اندر بہت سی آبادیاں ایسی موجود ہیں جہاں حفظان صحت

صاف پانی کے حصول کے لئے باقاعدہ محفوظ پائپ لائن یا بورنگ کی بجائے لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ سطح زمین پر جمع شدہ آلودہ پانی، یا غیر

میں شریک ہو کر دوسرے بچوں کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے۔ بہت سارے مضافاتی علاقے ایسے ہیں جہاں بچیاں اس وجہ سے سکول نہیں جاسکتیں کہ انہیں ہر روز اپنے خاندان کے لئے پینے کا پانی جمع کرنے کی ذمہ داری دی جاتی ہے۔ بچے اگر سکول میں ہیں تو وہاں کی صورتحال بھی اتنی اچھی نہیں ہو سکتی، کیونکہ پوری دنیا میں تقریباً ایک تہائی سکولوں میں صاف پینے کے پانی کی سہولت موجود نہیں یا مناسب سینی ٹیشن کا نظام موجود نہیں۔ بچے پانی کی کمی کا شکار ہوتے ہیں اور دوسری طرف انہیں غیر مناسب لیٹرین استعمال کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے یا انہیں رفع حاجت کے لئے کھلی جگہوں پہ بھیجا جاتا ہے۔ خاص طور پر نوعمر بچوں کے لئے صاف پینے کا پانی اور مناسب سینی ٹیشن کا نظام مہیا نہ کرنا انہیں تعلیم سے نکالنے اور تعلیم حاصل کرنے کا موقع سے محروم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اور اس کے علاوہ بچوں کو حفظانِ صحت کے اصولوں کے حوالے سے مناسب تربیت کی فراہمی سے ان کی عمر بھر بہتر صحت کی شروعات کی جاسکتی ہیں۔



کے اصولوں کا شعور موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے وہاں بیماریاں پھیل رہی ہیں۔ اگر لوگوں کی اس حوالے سے تربیت کی جائے، کہ کس طرح ٹائلٹ سے فارغ ہونے کے بعد ہاتھ صابن سے ہاتھ دھوئے ضروری ہیں، اور اپنے گھر، گرد و پیش اور اپنے جسم کی صفائی رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ اس طرح لوگوں کے مزاج اور عادات کو بدلنے سے انہیں صحت مند زندگی کی طرف لایا جاسکتا ہے۔

WASH کی عدم رسائی کے اثرات

صاف پانی، مناسب سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل درآمد نہ ہونے کی وجہ سے بہت سارے لوگ زندہ رہنے کے لئے کمانے کے حوالے سے اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں آگے بڑھنے سے قاصر رہتے ہیں، خاص طور پر خواتین کی زندگی اس سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اگر WASH کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال کا نظام قائم کریں گے تو اس سے کئی لوگوں کو روزگار بھی ملے گا۔

WASH تک رسائی یا دستیابی کے نتیجے میں

WASH اور صحت

عالمی سطح پر WASH تک رسائی کے اثرات انتہائی گہرے ہوں گے۔ اس کے ذریعے سے 840,000 افراد کی جانیں بچائی جاسکتی ہیں جو ہر سال آلودہ پانی پینے، غیر مناسب سینی ٹیشن کے نظام یا اس کی عدم دستیابی اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل درآمد نہ کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ بچوں کی غذائی کمی کا تیزی سے تدارک اور ان کی ذہنی و جسمانی نشوونما کو بہتر کیا جاسکتا ہے۔ آج پچاس فیصد بچوں کی غذائی کمی کا تعلق آلودہ پانی، غیر مناسب سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل نہ کرنے سے جڑا ہوا ہے۔ خواتین اور بچیوں کی حیض و نفاس کے حوالے سے مناسب معلومات اور اس حالت میں حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق مناسب سہولت اور ان کے وقار کا خیال رکھنا، اسی طرح حمل کے دوران، بچے کی پیدائش کے وقت اور بعد میں حفظانِ صحت کے اصولوں کا خیال رکھنے سے بچے کو ایک صحت مند زندگی کا آغاز کرنے میں معاون ثابت ہوں گے۔

غربت سے نجات اور معاشی ترقی کے لئے قوت محرکہ پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خصوصاً جنسی مساوات کے قیام میں بھی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ خواتین ہی پینے کے پانی کو جمع کرنے کا پر مشقت کام کرتی ہیں اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل درآمد نہ کرنے کی وجہ سے بیمار رشتہ داروں کی دیکھ بھال بھی خواتین کرتی ہیں۔ اور اکثر اوقات گھریلو مصروفیات جو ان کو تفویض کی جاتی ہیں کی وجہ سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے سکول نہیں جاسکتیں۔ WASH تک رسائی نہ ہونا وسیع پیمانے پر قومی سطح کے معاشی و سماجی اثرات کے ساتھ ساتھ خواتین کو مزید پسماندگی سے دوچار کرتا ہے اور انہیں غربت اور پر مشقت زندگی کے دائرے میں قید کر دیتا ہے۔

WASH اور تعلیم

بہت ساری غریب بستیوں میں جہاں پینے کے صاف پانی سے محرومی، سینی ٹیشن کے نظام کی عدم دستیابی یا ناقص ہونے اور حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل نہ کرنے کے نتیجے میں بہت سارے سکول جانے والے بچے مختلف قسم کی مہلک اور متعدی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ کلاس



ساتویں جنوبی ایشیائی کانفرنس نے ایک اعلامیہ جاری کیا جو درج ذیل ہے

ہم افغانستان، بنگلہ دیش، بھوٹان، مالدیپ، انڈونیشیا، نیپال، پاکستان، سری لنکا، اور انڈیا کے سربراہان جو اپریل 2018 میں پاکستان میں منعقد ہونے والی ساتویں جنوبی ایشیائی کانفرنس برائے سینی ٹیشن (SACOSAN) میں شرکت کر رہے ہیں۔

1: یہ محسوس کرتے ہوئے کہ محفوظ طریقے سے مہیا کیا گیا پینے کا پانی اور سینی ٹیشن ہر انسان کا بنیادی حق ہے اور محفوظ صفائی ستھرائی کی سہولیات تک نارسائی ایسی بیماریوں جن کی روک تھام کی جاسکتی ہے اور ناقص بڑھوتری (stunting) کی بنیادی وجہ ہے۔

2: یہ قابل تعریف ہے کہ (SACOSAN) کی رکن ریاستوں نے پائیدار ترقیاتی اہداف (SDGs) کو اپنے قومی ترقیاتی ایجنڈے میں شامل کیا ہے۔

3: اس بات کا احساس کرتے ہوئے کہ خطے میں کھلی جگہوں پر رفع حاجت (Open defecation) کو کم کرنے کے لئے اہم پیشرفت کی جا چکی ہے اور پائیدار و محفوظ سینی ٹیشن کا نظام بنانے اور حفظان و صحت کے رویوں کی طرف توجہ بڑھ رہی ہے۔

4: اس بات کو سمجھتے ہوئے کہ جنوبی ایشیاء دنیا میں بہت تیزی سے بڑھنے والے شہری علاقوں کا گھر ہے جس میں نہ صرف سہولیات فراہم کرنے کے چیلنجز درپیش ہیں بلکہ گنجان آباد علاقوں کی خدمت کرنے میں بہتر معیشتوں کا کردار بھی اہم ہے۔

5: ہم 2003ء سے 2016ء کے درمیان منعقد کئے گئے (SACOSANs) کے تمام وعدوں کی تجدید کرتے ہیں اور اجتماعی کادشوں اور سیکھنے کے اس غیر واسطہ پلیٹ فارم پر عہد کرتے ہیں کہ جنوبی

جنوبی ایشیاء کا خطہ دنیا کے اُن خطوں میں سرفہرست ہے جہاں گندگی کی زیادتی اور صحت و صفائی کے ناقص نظام کی وجہ سے ماحول اور انسانی صحت برباد ہو رہی ہیں۔ چنانچہ 2003 میں ڈھاکہ بنگلہ دیش میں پہلی جنوبی ایشیائی کانفرنس برائے سینی ٹیشن (SACOSAN) کا

قیام عمل میں لایا گیا جہاں خطہ کے تمام ممالک کی حکومتوں کے متعلقہ وزراء اور دیگر حکام شریک ہوئے جنہوں نے اس مسئلہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے مشترکہ لائحہ عمل اختیار کرنے پر زور دیا۔ کانفرنس ہر دو سال کے بعد کسی نہ کسی ایک ملک میں منعقد ہوتی چلی آ رہی ہے۔

اس سلسلہ میں ساتویں کانفرنس جو اپریل 2018ء میں منعقد ہوئی اس کی میزبانی کا شرف حکومت پاکستان کو حاصل ہوا۔ جس میں حکومتی و فوڈ کے ساتھ ساتھ سماجی اور عوامی تنظیموں نے بھی بھرپور شرکت کی۔ جنوبی ایشیائی سطح پر سماجی، عوامی تنظیموں کے متحرک ترین نیٹ ورک Fresh Water Action Network South Asia (FANSA) نے اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں ہمیشہ کی طرح بھرپور کردار ادا کیا اور کانفرنس کے دوران درست مسائل کی نشاندہی کر کے حکومتی و فوڈ اور وزراء کو جھنجھوڑا۔

FANSA پاکستان چیپٹر نے اس کانفرنس کے اعلامیہ کو جو انگریزی زبان میں تھا ترجمہ کروا کر وسیع پیمانے پر عوام میں تقسیم کرنا شروع کیا ہے تاکہ لوگ جان سکیں کہ خطہ کی حکومتیں سینی ٹیشن کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کیا لائحہ عمل طے کر چکی ہیں اس طرح سے ان حکومتوں پر دباؤ ڈال کر اس اعلامیہ پر عمل درآمد کروایا جاسکتا ہے۔ ادارہ سائبان FANSA PAKISTAN کے تعاون اور اجازت سے اس ترجمہ کو اپنے میگزین میں شائع کر رہا ہے۔ جس کے لئے ہم اُن کے مشکور ہیں۔

17

ایشاء کے تمام لوگ محفوظ اور مناسب سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت کی سہولیات سے لطف اندوز ہو سکیں۔

1- اقوام متحدہ کے منظور کردہ پائیدار ترقیاتی اہداف (SDGs) کے نمبر 1، 2، 6 کے حصول کیلئے موجودہ صورتحال (Baselines) متعین کریں گے اور آنے والے سالوں کیلئے ٹارگٹ طے کریں گے جس میں کھلی جگہوں پر رفع حاجت کے خاتمہ اور عالمی طور پر تسلیم شدہ بنیادی و محفوظ سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت کی طرف پیش قدمی بھی شامل ہوگی۔ خطہ کے تمام ممالک کو چاہئے کہ وہ اپنی قومی اور علاقائی / صوبائی پالیسیوں اور حکمت عملیوں کو پائیدار ترقیاتی اہداف (SDGs) میں محفوظ سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت بارے وضع کردہ تعریف کے مطابق ڈھالیں۔

2- قومی اور علاقائی / صوبائی سطح پر ہونے والے تمام اہم سروے کے اعداد و شمار جمع کرنے کے ذرائع، طریقہ ہائے کار اور نقطہ ہائے نظر کو پائیدار ترقیاتی اہداف کے مطابق ڈھالیں گے۔

3- اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ معاشرے کا کوئی حصہ / طبقہ ان سہولیات کے حصول میں پیچھے نہ رہ جائے اس مقصد کیلئے ایسے ثبوت وضع کئے جائیں جن سے ہر طرح کی عدم مساوات جس میں ایسے علاقے جو پسماندہ ہیں، ایسے گروہ جو ترقی اور سہولیات سے محروم ہیں یا آمدن کی کمی کا شکار ہیں، کے مسائل کو سمجھا جاسکے۔ اسی طرح ان گروہوں کیلئے اہداف سازی اور ان گروہوں سے وابستہ افراد کی شمولیت اور ان کی طرف سے احتساب کے نظام میں پیش قدمی کو اس شعبہ میں کام کرنے والے اداروں کی وساطت سے بڑھا دیا جائے۔

4- باقاعدہ طے شدہ طریقہ کار کے مطابق اس شعبہ میں موجود انسانی وسائل (Human Resource) کی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جائے جس کے بعد ایک ایسا لائحہ عمل تشکیل دیا جائے جس کے اندر تمام شعبہ ہائے زندگی مثلاً سرکار، عوامی تنظیموں، سہولیات فراہم کرنے والے اور دیگر متعلقہ اداروں میں موجود انسانی وسائل (Human Resources) کی صلاحیتوں کو بڑھا دینے کا پروگرام موجود ہو۔

5- معیاری سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت کے حصول کیلئے اس شعبہ میں

ضروری اصلاحات متعارف کروائی جائیں جس کیلئے موجودہ قانونی ڈھانچہ پر نظر ثانی کی جائے جس میں نگرانی کرنے والے اور سہولیات فراہم کرنے والے اداروں پر بالخصوص توجہ دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ مختلف متعلقہ وزارتوں کی باہمی ہم آہنگی کو بھی فروغ دیا جائے۔

6- سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت کے متعلق پائیدار ترقیاتی اہداف کے حصول کیلئے موثر مالیاتی منصوبہ بندی اور اس کی رپورٹنگ کا ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں ہونے والے اخراجات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ترقی کو ماپنے اور نگرانی کا بہتر انتظام موجود ہو۔

7- قومی اور علاقائی / صوبائی سطح ایسے ابلاغی منصوبے، حکمت عملیاں اور ترقیاتی مہمات تشکیل دی جائیں جو تمام لوگوں کی شمولیت کے ساتھ بہتر سینی ٹیشن کی سہولیات کے استعمال اور ان کے استحکام کو سماجی اقدار کے طور پر فروغ دیں۔

8- اداروں خاص طور پر سکولوں، صحت کی خدمات فراہم کرنے والے اداروں اور عوامی جگہوں پر سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت کی سہولیات کے آسان حصول اور خواتین کے ایام ماہواری کے دوران ضروری اشیاء کی فراہمی کو ترجیح دی جائے۔

9- سینی ٹیشن اور حفظانِ صحت پر علم کی ترقی اور ایک دوسرے سے سیکھنے سکھانے کے عمل کو فروغ دینے کیلئے خطے میں قومی اور علاقائی / صوبائی سطح پر ٹریننگ سینٹرز اور نیٹ ورکس کے ذریعے سے مشترکہ کادشوں کو فروغ دیا جائے۔

10- موسمیاتی تبدیلیوں کے مطابق ضروری مطابقت کو تقویت دینے اور عام عوام میں بالعموم اور موسمیاتی تغیرات کے خدشہ سے دوچار لوگوں میں بالخصوص موسمیاتی تبدیلیوں کو سہا رہانے اور قائم رہنے والی ٹیکنالوجیز کو بڑھا دینے کیلئے مالیاتی وسائل کا بندوبست کیا جائے۔

ہم حکومت پاکستان اور اس کے عوام کو اس تقریب کی شاندار میزبانی، فراخ دلی اور مہمان نوازی پر دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

اسلام آباد پاکستان 13 اپریل 2018ء



خواتین معاشی و سماجی زندگی میں کیسے باختیار بن سکتی ہیں؟

ڈاکٹر طاہرہ کوکب

19

ہو سکے، اور زندگی کے ہر شعبے میں انہیں ملازمت کے بہتر سے بہتر مواقع میسر آسکیں، نیز وہ زندگی کے ہر شعبے کے اندر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں۔

ملازمتوں کے حوالے سے عورتوں کے کوٹے میں اضافہ آبادی کے تناسب سے کیا جائے، اس وقت ملازمتوں میں پانچ فیصد کوٹہ مختص ہے اس کے باوجود بھی خواتین کو کوٹہ کے حساب سے ملازمتیں نہیں ملتی ہیں جب کہ اس میدان میں خواتین کی تعداد کم ہے۔ ایسے تمام قوانین جو خواتین حقوق سے متصادم ہیں انہیں ختم کیا جائے۔ قانون ساز اداروں میں خواتین کی مناسب نمائندگی کو یقینی بنایا جائے تاکہ خواتین کے حوالے سے بنائے جانے والے قوانین میں ان کی رائے بھی شامل ہو سکے اور ان کے مفادات کو بہتر انداز سے ملحوظ خاطر رکھا جاسکے۔

خواتین اس وقت ہی اپنے آپ کو اختیار بنا سکتی ہیں جب انہیں اپنی زندگی کو اپنی مرضی اور وقار سے چننے کا اختیار دیا جائے، زندگی کے جملہ معاملات میں ان کے انتخاب اور فیصلہ جات کی اہمیت ہو نیز سماجی، مذہبی، اور عوامی سرگرمیوں میں شرکت کے حوالے سے انہیں مساوی حق حاصل ہو۔ چاہے وہ گھر کی زندگی میں ذمہ داریاں نبھا رہی ہوں یا باہر جہاں ملازمت یا کاروبار کر رہی ہوں۔ ان کا حق ہے کہ معاشرتی سطح پر ایک انسان ہونے کے ناطے معاشی، تعلیمی، معاشرتی حقوق میں برابر مواقع مہیا کئے جائیں۔ اس حوالے سے ریاست یہ کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور انفرادی سطح پر خواتین کو کس حد تک جدوجہد کرنی چاہئے۔ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ ریاست کی ذمہ داریاں

اسلام نے خواتین کو جس سماجی مقام سے نوازا ہے اور معاشی جدوجہد کے حوالے سے جو آزادیاں اور تحفظ دیا ہے، اس کی روشنی میں عصر حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر آج ہمارے ملک میں بھی قانون سازی کی ضرورت ہے، نیز معاشرے کے اندر تعلیمی نظاموں میں ان حقوق کو انصاف کا حصہ بنانے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ ذہنی اور فکری حوالے سے تنگ نظری اور جنسی امتیازی سوچ سے نکل سکے۔

اگر ریاستی نظام عادلانہ نہیں ہو گا تو معاشیے میں کسی بھی جنس کو انصاف میسر نہیں آ سکتا۔

سب سے پہلے کسی ملک کے ریاستی نظام پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے قوانین اور عملی نظام وضع کرے جس میں تمام شہریوں کے بلا امتیاز حقوق کی پاسداری ہو۔ اگر ریاستی نظام عادلانہ نہیں ہوگا تو معاشرے میں کسی بھی جنس کو انصاف میسر نہیں آسکتا۔ لہذا خاص طور پر خواتین کے حوالے سے جو امتیازی قوانین اور روایات معاشرے کے اندر موجود ہیں انہیں ختم کر کے انصاف پڑنی قوانین بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب ریاست خواتین کے حقوق کا تحفظ شروع کرتی ہے تو پھر یقیناً معاشرے میں وہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ترقی کر کے اختیار بن سکتی ہے۔ لیکن اگر ریاستی سطح پر ایسے امتیازی قوانین موجود ہوں گے جن سے خواتین کے بنیادی حقوق کو غصب کیا جائے گا، انہیں سیاسی، سماجی، معاشی، تعلیمی میدانوں میں آگے بڑھنے سے مختلف طریقوں سے روکا جائے گا تو ایسے ماحول میں وہ کبھی اختیار نہیں بن سکتیں۔

ہمارا معاشرہ چونکہ بحیثیت مجموعی پسماندگی کا شکار ہے، یہاں دیگر ترقی یافتہ معاشروں کے مقابلے میں خواتین کو زیادہ سخت اور طویل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے ریاست اور معاشرے کو خواتین کے لئے ترقی کرنے کے مناسب مواقع اور حوصلہ افزائی دینی پڑے گی۔ اور انفرادی سطح پر خواتین کو خود بھی اپنے اندر ایسی صلاحیت، جذبہ، ارادہ پیدا کرنا پڑے گا، جس سے وہ موجودہ مسائل سے عہدہ برآ ہو سکیں۔

۲۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر حوصلہ افزائی کی ضرورت

سب سے اولین ذمہ داری والدین کی ہے کہ انہیں لڑکوں اور

اس وقت ہمارے ملک کی پارلیمنٹ کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ ملک میں ایسے قوانین کا اجراء کیا جائے اور ان پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے، جن سے خواتین کے حقوق اور ان کی ناموس کا بہتر انداز سے تحفظ

کرے بلکہ ملکی معیشت میں بھی خوشحالی کی نوید بنے۔

۳۔ عصری تقاضوں کے مطابق تعلیم و تربیت

دنیا اکیسویں صدی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے تعلیمی نظاموں سے مستقبل کے چیلنجز کو نمٹنے کی تیاری میں مصروف ہے، لیکن ہمارے معاشرے کی حالت یہ ہے کہ ملک کی اکثریت مجموعی طور پر ان پڑھ اور جاہل ہے، اور مزید یہ کہ جو مائیں نئی نسلوں کو پیدا کر کے انہیں پروان چڑھاتی ہیں ان کی اکثریت خود ان پڑھ اور جاہل ہے۔ نہ ریاست اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے تیار نظر آتی ہے اور نہ ہی انفرادی سطح پر خواتین کی تعلیم کو اہمیت دی جاتی ہے۔ خاص

طور پر دیہی علاقوں میں قبائلی کلچر دیگر عوامل کی وجہ سے حالات مزید پریشان کن ہیں، دیہی علاقوں میں بچیاں تعلیم کے حوالے سے طرح طرح کے مسائل سے دوچار رہتی ہیں۔ سکول گھر سے دور ہونے کی وجہ سے بچیاں سفر نہیں کر سکتیں والدین کے پاس



اتنے اخراجات نہیں ہوتے کہ وہ سفر کا خرچ برداشت کر سکیں، اس کے علاوہ بچیوں کے لئے الگ سکول نہ ہونے اور جو سکول موجود ہیں ان میں مناسب سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے بچیاں اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتیں۔

اب صورتحال یہ ہو چکی ہے کہ ملک کی آبادی کے 51 فیصد حصے کو صرف بچوں کو پالنے، کھیتوں میں بیگار لینے یا دیگر محنت کے کاموں کے لئے گھروں تک محدود کر دیا گیا ہے، ان کے لئے تعلیم کو غیر ضروری قرار دے دیا گیا ہے۔

انتہا پسندی اور جہالت کی ایک اور سوچ یہ پرورش پاری ہے کہ بچیوں کو سکول نہیں بھیجنا چاہئے، اسی سوچ کے نتیجے میں خیر پختہ خواہ میں دہشت گردوں نے کئی سکولوں کو صرف اس لئے تباہ کیا کہ وہاں بچیاں تعلیم حاصل کر رہی تھیں، کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ بچیاں بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکیں، حالانکہ یہ سوچ ہماری دینی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

لڑکیوں کی تربیت میں فرق نہیں کرنا چاہئے، جس طرح کی تربیت، تعلیم اور اعتماد لڑکوں کو دیا جاتا ہے، لڑکیاں بھی اس کی مستحق ہیں، لہذا بچیوں کے اندر خود اعتمادی پیدا کی جائے، انہیں اس طرح سے تعلیم و تربیت دی جائے کہ وہ ہر طرح کے حالات کا مقابلہ کرنا سیکھیں، نیز انہیں اس طرح تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا جائے کہ وہ اخلاقی، فنی اور علمی سطح پر کسی طرح سے بھی لڑکوں سے پیچھے نہ رہیں۔

مرد حضرات کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بہن اور بیوی کو تعلیم حاصل کرنے سے نہ روکے بلکہ انہیں خاطر خواہ سہولیات مہیا کرنے میں کردار ادا کرے، ان کی حوصلہ افزائی کریں اور اگر کسی شعبے میں وہ

خدمات انجام دینا چاہتی ہیں، کوئی ہنر سیکھنا چاہتی ہیں، اعلیٰ تعلیم کی خواہشمند ہیں تو ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کریں، اس سے نہ صرف خاندان خوشحال ہوگا، آنے والی نسل کی اچھی تربیت ہوگی بلکہ ملکی ترقی میں بھی اضافہ ہوگا۔

اس طرح خواتین جس ادارے میں کام کر رہی ہیں یا تعلیم و تربیت حاصل کر رہی ہیں اس کی انتظامیہ کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ خواتین کی حوصلہ افزائی کریں اور انہیں ایسا ماحول مہیا کرنے میں کردار ادا کریں جس میں ان کی تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ ہو۔ اور وہ ادارے کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکیں نیز معاشرے کا ایک فعال شہری بن سکیں۔

ایسی خواتین جو مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں، تحقیق کرنا چاہتی ہیں انہیں مناسب مواقع مہیا کئے جائیں، جو خواتین مختلف شعبوں میں کامیابیاں حاصل کر چکی ہیں انہیں انعامات اور ایوارڈز کے ذریعے حوصلہ افزائی دی جائے تاکہ دیگر بچیوں کے لئے وہ رول ماڈل بن سکیں۔ اور ان کو بھی آگے بڑھنے کی ترغیب ہو۔

اگر انفرادی اور اجتماعی سطح پر پورا معاشرہ خواتین خواتین کی حوصلہ افزائی کے لئے کھڑا ہو جائے تو کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرے کی اکثریتی آبادی ایک فعال شہری بن کے نہ صرف ایک تہذیب یافتہ نسل پیدا

عام طور پر والدین بچوں کو بچپن سے ہی تعلیم کے حوالے سے ترجیح دیتے ہیں، وہ زیادہ خرچ بچہ کرنے کی بجائے بچے پر کرتے ہیں، ان کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ کیونکہ بچہ کی انہوں نے شادی کرنی ہے۔ لہذا وہ غیروں کے گھر چلی جائے گی س طرح ہمیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا لہذا اس افسوسناک مفاد پرستی کی سوچ کے نتیجے میں بچیاں اعلیٰ تعلیم سے محروم کر دی جاتی ہیں، عام طور پر ہم اپنے لڑکوں سے معاشی سپورٹ کی امید رکھتے ہیں اور اس کی اعلیٰ تعلیم کے لئے اپنی جمع پونجی بھی خرچ کرنے میں پیچھے نہیں رہتے، اس ساری صورتحال میں خواتین سے کام کرنے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا حق چھین لیا جاتا ہے، اس سے نہ صرف ملک کی اکثریتی آبادی کو جاہل رکھ کر، آنے والی نسلوں کی تربیت کو بھی متاثر کیا جاتا ہے اور دوسری طرف ملکی معیشت میں بھی اس آبادی کا کوئی کردار موجود نہیں ہوتا جس سے ملکی معیشت بھی زوال پذیر ہوتی ہے۔

آج سیرت النبیؐ کی روشنی میں ہمیں اپنے حالات کا دیانت داری سے جائزہ لینا چاہئے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کے پیروکار ہیں یا اپنے بنائی گئی فرسودہ قبائلی روایات، اور نام نہاد غیرت کے نام سے بنائی گئی سوچ اور خیالات کے پیروکار ہیں۔

ہمیں یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ بچپن کی پیدائش پہ کس قدر خوشی محسوس کرتے ہیں اور کس حد تک بچپن کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں کردار ادا کرتے ہیں۔ اور بچوں اور بچپن میں کس حد تک مساوات رکھتے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں والدین کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ اپنی بچیوں کو اچھی تعلیم سے مستفید کریں، عصری علوم کے حصول سے انہیں دور نہ رکھیں، انکے اندر اعتماد پیدا کریں، اگر وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں گی تو اپنے گھر اور خاندان کو بہتر انداز سے پرورش کر سکیں گی، ایسی کئی مثالیں موجود ہیں کہ پڑھی لکھی بچیاں، جب شادی کے بعد مشکل معاشی حالات سے دوچار ہوئیں تو انہیں ان حالات کا مقابلہ کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی، اور وہ اپنے شوہر اور بچوں کی کفالت کی ذمہ داری نبھانے میں

خواتین کو اپنے پاؤں پہ کھڑا کرنے کے لئے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تعلیم و تربیت انتہائی ناگزیر ہے۔

صنعت و ٹیکنالوجی کے اس دور میں قومیں یقینی ترقی اسی میدان میں آگے بڑھ کر ہی کر سکتی ہیں، خواتین چونکہ آبادی کا ایک بڑا حصہ ہیں لہذا انہیں صنعت و ٹیکنالوجی سے وابستہ معیشت میں حصہ دار بنانے بغیر قوموں کا ترقی کی دوڑ میں سبقت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ اس وقت ضروری ہے کہ ایسی تعلیمی پالیسیاں تشکیل دی جائیں جن میں خواتین کی تعلیم کو اولیت دی جائے۔ خاص طور پر خواتین کو سائنسی و ٹیکنیکی علوم کی تعلیم مہیا کرنے کے لئے وسائل بروئے کار لائے جائیں۔

موجودہ دور کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے بعض ممالک میں خواتین کو بھرپور مواقع فراہم کئے جا رہے ہیں لیکن ہم ابھی تک خواتین کو ٹیکنیکل میدان میں نظر انداز کرنے کی پالیسی پر گامزن ہیں، بہت سارے ممالک اور معاشروں میں انجنئرنگ اور سائنس کے مضامین میں تعلیم کے حوالے سے لڑکیوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یا ان کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، آج ہمارے معاشرے میں بھی ٹیکنیکی شعبوں میں تعلیم کے حوالے سے بچپن سے خرچ نہیں کیا جاتا، والدین انہیں غیر سائنسی مضامین کی طرف راغب کرتے ہیں، جبکہ لڑکوں کے لئے ایسا نہیں ہوتا۔ اگرچہ کہ اب معاشرتی خیالات بدل رہے ہیں ٹیکنیکل فیلڈ میں کام کرنے کے لئے خواتین سامنے آ رہی ہیں ان میں ٹیکنیکی شعبوں میں کام کرنے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ اس پر مزید انفرادی اور اجتماعی سطح پر کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

سارے امور کی ذمہ داری سنبھال لیتی ہیں اور اکثر فیصلے جن کا تعلق گھریلو انتظامات سے ہوتا ہے ان ہی کی مرضی سے ہوتے ہیں۔ آگے چل کر بچوں کی شادیوں اور ان کے گھروں کو بسانے کے حوالے سے پلاننگ میں بھی گھریلو خواتین کا اہم کردار ہوتا ہے۔

اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ خواتین پڑھ لکھ کر اگر گھر تک ہی محدود ہو جائیں تو پھر انہیں تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور عام طور پر یہ خیال بھی عام ہے کہ اگر لڑکیوں کو شادی کے بعد گھر ہی سنبھالنا پڑے تو انہیں کالج اور یونیورسٹیوں کی سیٹیں لینے کی کیا ضرورت ہے۔

لب لباب یہ ہے کہ ایک گھریلو خاتون ایک وقت میں مختلف مہارتیں رکھتی ہے اور ہمہ وقت محنت و مشقت کی زندگی گذارتی ہے۔ جس میں وقت کی پابندی لازمی عنصر ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک اچھی پروائزر اور منتظم ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈگری کا حصول صرف نوکری یا ملازمت حاصل کرنا ہی ہے؟ کیا تعلیم کا کوئی اور مصرف یا فائدہ نہیں؟ کیا تعلیم انسانی افکار اور شخصیت میں کوئی تبدیلی نہیں لاتی؟ کیا ایک گھریلو خاتون تعلیمی فوائد سے مستفید نہیں ہو سکتی؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک گھریلو خاتون کو تعلیم ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ فائدہ پہنچاتی ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک عورت گھر میں کیا کرتی ہے انہیں اپنی سوچ میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ اور ان لوگوں کو بھی جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اسے گھر میں کام کرنا ہوتا ہے۔ اگر ایمانداری سے جائزہ لیا جائے تو یہ

اگر جائزہ لیا جائے تو گھر کا انتظام کسی بھی طرح سے کسی ادارے کے انتظام سے مختلف نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک ادارے میں کام کرنے والے لوگ اپنے کام کی تفصیلات سے واقف

حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر ایک عورت پڑھی لکھی ہے وہ ان تمام امور کو ایک ان پڑھ عورت سے زیادہ بہتر طریقے سے چلا سکتی ہے نیز گھر کی دیکھ

گر ایک عورت پڑھی لکھی ہے وہ تمام امور کو ایک ان پڑھ عورت سے زیادہ بہتر طریقے سے چلا سکتی ہے

بھال اور بچوں کی تعلیم و تربیت اور تمام گھر کی صحت کے حوالے سے زیادہ بہتری لاسکتی ہے۔ کیونکہ تعلیم سے صحت مند افکار اور تہذیب و اخلاق پیدا ہوتا ہے جو کہ خاندان کی تشکیل اور نئی نسل کی تربیت کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

ہوتے ہیں اور سب اپنے اپنے مخصوص کام کو انجام دینے کے ذمہ دار ہوتے ہیں لیکن گھریلو خاتون کئی ذمہ داریاں بہ یک وقت نبھاتی ہے۔ اور ان سارے امور کو

جہاں اجتماعی طور پر ریاست اور معاشرے کی ذمہ داریاں ہیں کہ وہ خواتین کو آگے بڑھنے کے لئے حوصلہ افزائی، اعتماد اور مواقع مہیا کریں وہیں انفرادی سطح پر خواتین کو بھی اپنے آپ کو تیار کرنا پڑے گا۔ اگر بحیثیت خاتون آپ سماجی زندگی میں اپنا عملی کردار نبھانا چاہتی ہیں تو اس کے لئے انفرادی سطح پر اپنے آپ کو تیار کرنا بھی ضروری ہے اس حوالے سے ذیل میں دیئے گئے نکات کا مطالعہ کیجئے۔

۴۔ اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنا

عام زندگی میں مردوں اور عورتوں کے تقابلی جائزے سے یہ حقیقت

نہایت سلیقے اور پابندی سے ہر روز مکمل کرتی ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں کی کوئی باقاعدہ فہرست نہیں ہوتی لگاتار اسے گھر کے متعلقہ تمام امور نمٹانے ہوتے ہیں اور اس تمام تنگ و دو اور محنت کے بعد کوئی اس کی حوصلہ افزائی کرنے والا نہیں ہوتا۔

ایک گھریلو خاتون گھر کے مالیاتی نظام کو بہتر طور پر چلاتی ہے اگرچہ اکثر خواتین خود کمائیاں نہیں لیتیں لیکن وہ رقم خرچ کرنے کے حوالے سے عمدہ پلاننگ کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف گھر کے بجٹ بناتی ہیں اور اچھی طرح سے چلاتی ہیں بلکہ بچت میں بھی ان کی حکمت عملی کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ تو تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں خواتین بڑے وقت کے لئے بچا کر رکھنے میں زیادہ سلیقہ رکھتی ہیں۔

گھریلو خواتین جوانی سے لے کر بڑھاپے تک رفتہ رفتہ گھر کے

بھی سامنے آئی ہے کہ مرد عورتوں کے مقابلے میں زیادہ پر اعتماد نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مختلف شعبہ جات میں سبقت لے جاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل کرتے ہیں ان کے مقابلے میں خواتین اپنے گرد و پیش میں رونما ہونے والے حالات سے جلد متاثر ہو کر اپنا اعتماد کھو دیتی ہیں، وہ آگے بڑھنے کے حوالے سے زیادہ پر اعتماد نہیں ہوتیں۔ اگرچہ کہ اس کے کئی معاشرتی و سیاسی اسباب موجود ہیں، لیکن اس کیفیت سے اپنے آپ کو نکالا جاسکتا ہے۔

اگر ہمارے معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو خواتین کا زندگی کے مختلف شعبوں میں آگے نہ بڑھنے کی سب سے بنیادی وجہ ان کے اندر خود اعتمادی کی کمی ہے۔ خود اعتمادی کی کمی انہیں انفرادی سطح پر یا اجتماعی سطح پر کچھ سوچنے اور کرنے کی ہمت پیدا نہیں ہونے دیتی۔

خواتین کیسے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کر سکتی ہیں؟ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خود اعتمادی پیدا ہوتے ہی نہیں آتی بلکہ وقت کے ساتھ اسے اپنے اندر پیدا کرنا سیکھنا پڑتا ہے۔ کبھی مشاہدہ کیا ہے کہ بچہ جب اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنا پہلا قدم اٹھانا سیکھتا ہے۔ وہ سینکڑوں مرتبہ زمین پہ گرتا ہے پھر اٹھتا ہے، پھر گرتا ہے پھر اٹھتا ہے، لیکن اس گرنے پڑنے کے عمل سے رفتہ رفتہ وہ اپنے قدموں پہ کھڑا ہونا سیکھتا ہے، ایک لگن اور ایک امید اس کو چلنے کی طرف راغب کرتی ہے اور پھر کچھ ہی عرصے کی اس تک و دو کے بعد وہ چلنے پھرنے، دوڑنے بھاگنے، چھلانگیں لگانے لگتا ہے۔ بالکل اسی طرح ہم اپنے اندر بھی مسلسل محنت سے ایسی مہارت پیدا کر سکتی ہیں جو ہمیں زندگی کے معاملات میں اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے میں مدد دے سکے۔

اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی زندگی کا ایک مقصد متعین کریں، اور پھر اس کے حصول کے لئے ضروری مہارتیں اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے کوشش کریں۔ عام زندگی میں انفرادی سطح پر کسی ملاقات کرنی ہے یا کسی میٹنگ میں جانا ہے یا کسی پبلک اجتماع میں شریک ہونا ہے تو ضروری تیاری پہلے سے کریں، اور یہ یقین رکھیں کہ جس مقصد کے لئے جارہی ہیں اس میں مثبت نتائج ملیں گے۔ اپنی حرکات و سکنات، چہرے کے تاثرات اور الفاظ کے اتار چڑھاؤ کا خاص خیال

رکھیں۔ اور ہر صورتحال سے نمٹنے کے لئے اپنے آپ کو پہلے سے تیار کر لیں اور انتہائی اطمینان سے تمام معاملات میں شریک ہوں۔

زندگی میں خود سے کچھ کرنے کا اعتماد پیدا کریں، سہاروں کی تلاش کا مزاج کبھی پیدا نہ کریں، کیونکہ ہر سہارا عارضی ہوتا ہے، دنیاوی سہاروں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا مفاد اور غرض جڑی ہوتی ہے، لہذا جب وہ غرض اور مفاد پورا ہو جاتا تو وہ سہارا بھی ختم ہو جاتا ہے، لہذا خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے سہاروں کی تلاش کی عادت کو اپنے اندر سے ختم کرنا ضروری ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ جس طرح ایک بچہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کے لئے ابتدا میں کسی سہارے کو دیکھتا ہے لیکن یہ عارضی ہوتا ہے جب وہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونا خود سے سیکھ لیتا ہے تو پھر وہ کسی سہارے کو اہمیت نہیں دیتا۔ اپنی غلطیوں سے سبق سیکھیں، اپنی کوتاہیوں پہ غور کریں اور انہیں دور کرنے کے لئے کوشش جاری رکھیں۔ ہمیشہ اپنے چہرے پہ مسکراہٹ رکھیں۔ ایک سروے کے مطابق جو لوگ اپنے چہروں پہ مسکراہٹ رکھتے ہیں وہ ان کے مقابلے میں زیادہ پرکشش اور با اعتماد دکھائی دیتے ہیں جو اپنے چہروں کو مسکراہٹ سے عاری رکھتے ہیں۔

مشکل سے مشکل حالات میں کبھی زروں نہ ہوں بلکہ اپنے اندر مضبوطی پیدا کریں اور حالات کو سمجھیں اور ان کا مقابلہ کرنا سیکھیں۔ اور کوئی ملازمت کرنی ہے یا اپنا کاروبار شروع کرنا ہے تو اس کے لئے پورے اعتماد کے ساتھ تیاری کریں ضروری مہارتیں سیکھیں، اور پھر پہلا قدم اٹھائیں اور آگے بڑھیں، نیا کام شروع کرنے میں مسائل اور رکاوٹیں آئیں گی لیکن ان کو پورے تحمل اور تیاری کے ساتھ حل کریں۔ اپنی ڈکٹری میں سے ناممکن کا لفظ نکال دیں۔ یہ اپنا ایمان بنالیں کہ ہر چیز ممکن ہے اگر اس کے حصول کی خواہش اخلاص اور انتہائی جدوجہد کے ساتھ کی جائے۔ یہ وصف آپ کو عملی زندگی میں با اختیار بننے کے لئے تیار کرے گا۔

۵۔ اپنی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے سیکھنے کے عمل کو جاری رکھنا

انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک فطری خوبی رکھی ہے وہ ہے خوب سے خوب تر کی تلاش، روز اول سے آج کی ترقی یافتہ دنیا تک انسانی زندگی کے ارتقاء کا یہ سلسلہ اسی خوبی یا وصف کا نتیجہ ہے۔ انسان نے اپنے علم،

ہے، یہ دراصل مزاج بن چکا ہے ارادی یا غیر ارادی طور پر اس امتیاز نے معاشرے کی اکثریتی آبادی کو کمزور، بے وقعت اور معاشی زندگی کی دوڑ سے باہر کر دیا ہے۔ بچی کے ساتھ امتیازی سلوک اس کی تعلیم سے شروع ہوتا ہے، پھر گھروں میں لڑکوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ برتنے والے طرز عمل سے لڑکی کی اہمیت لڑکوں کی نفسیات میں کم ہو جاتی ہے۔

جب لڑکا اپنے والدین کا سلوک اپنی بہن کے ساتھ ایک کمزور جنس کے طور پر دیکھتا ہے تو اس کی یہ طبیعت ثانویہ بن جاتی ہے کہ لڑکی کمزور پیدا ہوئی ہے، اسے باہر کی، گرد و پیش دنیا سے کیا لینا دینا، اس کے لئے ایک مخصوص کام ہے، مخصوص تعلیم ہے، محدود شعبے ہیں لہذا اس کی حیثیت یہاں تک ہی محدود ہے۔ لہذا اسے اس سے آگے بڑھنے نہیں دینا۔ کیونکہ وہ کمزور ہے لہذا اسے ہر وقت سہارے کی ضرورت ہے، لہذا اسے اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا، اس قسم کا طرز عمل و سلوک رفتہ رفتہ معاشرے کی جڑوں میں سرایت کر گیا ہے، وہی لڑکے بچپن سے اس طرح کی سوچ لے کر جب وہ خاندان بننے ہیں تو اپنی بیویوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک روا رکھتے ہیں، جب وہ باپ بننے میں تو بیٹیوں کو بھی اسی سلوک کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اگر ہم ذرا غور کریں تو جس خاندان میں بچی پرورش پا رہی ہوتی ہے اس میں ایک عورت ماں بھی ہوتی ہے جو اولاد کی تربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے، اس کا کردار کیا ہوتا ہے؟ اگر وہ اپنے لڑکوں کو اس طرح سے تربیت دے کہ وہ لڑکیوں کو کم تر، کمزور، بے ہمت، بے اعتماد نہ سمجھے، وہ لڑکوں کی نفسیاتی و شعوری تربیت کرے کہ اللہ نے عورت کو بھی اسی جیسا انسان پیدا کیا ہے۔ اس پر کسی علم اور شعبے کے دروازے بند نہیں کئے جاسکتے، جس طرح کی ضروریات زندگی لڑکے کے لئے ضروری ہیں اسی طرح لڑکی کو بھی چاہئے۔ وہ گھر میں لڑکی اور لڑکے میں فرق کے ماحول کو کبھی پیدا نہ ہونے دے۔ اس طرح ایک عورت معاشرے میں ایسے مرد پر وان چڑھائے گی جو عورت کا احترام بھی کریں گے اور اس کا ساتھ بھی دیں گے۔

مہارت اور صلاحیت کو وقت کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھایا اور انسان غاروں کی دنیا سے نکل خلاؤں کو تسخیر کرنے لگا۔ اب یہ فطری صلاحیت صرف مردوں کے ساتھ ہی منسوب یا محدود نہیں بلکہ یہ انسانی خوبی ہے اور اس میں مرد اور عورت دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک بھی اس فطری عمل سے روگردانی کرے گا یا ان میں سے کسی بھی جنس کو علم، مہارت اور صلاحیت کو بڑھانے سے روکا جائے گا تو وہ فطری ارتقاء کا عمل رک جائے گا۔ اگر خواتین اپنی زندگی میں مثبت تبدیلی لانا چاہتی ہیں تو انہیں سیکھنے کے عمل کو جاری رکھنا پڑے گا، سیکھنے کا عمل کسی ایک شعبے تک محدود نہیں ہے، یعنی یہ نہیں کہ بعض علوم اور شعبے عورتوں کے لئے مخصوص ہیں اور بعض مردوں کے لئے بلکہ کائنات میں پھیلے علوم اور اشیاء کا کوئی بھی کسی بھی سطح کا علم و مہارت حاصل کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا دونوں کے لئے یکساں ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں دوسرے افراد کی صلاحیتوں اور مہارتوں سے سیکھنا، اپنے تجربات سے سیکھنا، تعلیمی و تربیتی اداروں کے ذریعے سیکھنا، سیکھنے کا یہ عمل اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے، زندگی کو قابل عزت، بااخلاق، خوبصورت، پرسکون اور خوشحال بنانے کے لئے جس جس مہارت اور علم کی ضرورت پڑتی ہے اسے سیکھنا ضروری ہے۔ اپنے اندر سیکھنے کی عادت ڈالنا پڑے گی۔ سیکھنے کا یہ عمل آپ کو زندگی کے نشیب و فراز سمجھائے گا، گرد و پیش وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں سے آگہی فراہم کرے گا، سیکھنے کا یہ عمل آپ کے اندر مہارتیں پیدا کرے گا جس سے آپ معاشی و سماجی زندگی میں خوشحالی حاصل کر سکیں گی۔ سیکھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کسی ایک خاص فکر کے دائرے میں بند نہ کریں بلکہ عقل و دانش جہاں سے بھی میسر آئے اسے لے لیں۔ اپنی عقلی قوتوں کی آبیاری کریں، اس سے آپ کی شخصیت میں ایک اعتماد پیدا ہو گا۔ اور آپ زندگی کی مسرتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکیں گی۔ اور اس طرح آپ عملی زندگی میں اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو سکیں گی۔

۶۔ گھروں میں لڑکے اور لڑکی کی تربیت میں امتیاز کے خاتمے کی ضرورت

ہمارے معاشرے کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ گھروں کے اندر بچے اور بچی کی تربیت اور ان کے حقوق کے حوالے سے واضح امتیاز برتا جاتا

چوہدری افضل حق ماضی قریب کے ایک معروف لکھاری اور تحریک آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ ان کی کتاب زندگی نے کئی لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کیا۔ ہم آپ کی اس کتاب سے کچھ اقتباسات قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

دوستو! ہندوستان جنت نشان میں متمدن آبادی سے دور ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ جہاں دھڑے بندی لوگوں کی گھٹی میں پڑی تھی، لوگ جاہل تھے اور کیڑے توڑ۔ میرے والدین کسی قند و فساد میں شامل تو نہ ہوتے تھے۔ ہاں انہیں کفو اور کنبہ کی فوقیت کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ان کا پیشہ زراعت تھا لیکن آمدنی محدود تھی۔ میری تعلیم میں ہمیشہ کوشاں رہتے تھے تاکہ میں اقران و امثال میں ممتاز ثابت ہوں۔ ماں اور باپ میں محبت کے ساتھ ساتھ توفیق کا یہ جذبہ بھی تھا۔ جس کی وجہ سے وہ خودنگی و ترشی میں بسر اوقات کر کے بھی میری ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ ان کی پندرہ برس کی محنت برائی۔ میں ایم اے میں اول آیا، ملک میں تعلیم کم تھی، جگہ جگہ سے ملازمت کے لئے میری طلبی ہونے لگی۔ سورت کے ایک تاجر نے دو ہزار روپیہ ماہوار کی پیشکش کی، والدین باغ باغ تھے، لیکن خدا کی مرضی کہ اسی سال طاعون ملک میں پھوٹا، ماں باپ نے انتقال کیا اور میں ان کی شفقت اور محبت سے محروم ہو گیا۔

اس صدمہ نہیں طبیعت کو دنیا سے اچاٹ کر دیا۔ چاہا کہ کسی گوشہ میں بیٹھ کر خدا کی حمد و ثنا میں زندگی بسر کروں اور اہل دنیا سے کچھ مطلب نہ رکھوں، زمانے نے دھیرے دھیرے اس زخم کو مندمل کیا۔ مجھے بھی خیال آیا خدا تو حاجات سے بالا، صفت و ثناء سے ماوراء ہے، پھر جس ذات بے ہمتا کے لئے جن ملک، زمین و آسمان، سورج و چاند، ستارے اور سیارے سجدہ ریز ہیں، اگر میں اس کے سامنے تاقیامت بھی سر بسجود رہوں، اس کی شان میں کیا اضافہ ہوگا۔ کیا میرے لئے مناسب نہ ہوگا کہ میں حاجت مند مخلوق کے کام آؤں اور مشکل میں ان کا ہاتھ بٹاؤں، خدا اس طرح خوش نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کا نام زبان زد رہے، بلکہ اسے خوش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے بندوں کی مدد کی جائے مخلوق کے کام آنا خالق کی خدمت کے مترادف ہے۔ میں نے یہ سوچ کر فیصلہ کیا کہ آؤ زندگی کی ایک حقیر سی ابتداء کریں، علم کی جو دولت مجھ کو ملی ہے اس سے دنیا کو بھر دیں، اور فرقہ

پرستی کا جو مرض ملک میں موجود ہے اس کا قلع قمع کر دیں۔ چنانچہ میں نے گاؤں کے باہر ایک مسجد میں ابتدائی مکتب کھولنے کا فیصلہ کر لیا، ان دنوں پاس کے علاقہ کے ایک زاہد شب زندہ دار نے مجھے فرزندگی میں قبول کرنے پر اصرار کیا۔ اللہ جانے سسرال والوں نے کیا مصلحت سمجھی جھٹ مٹنگی اور پٹ بیاہ کی ٹھہری۔ میں نے یہ سوچ کر قبول کر لیا کہ زندگی کی کٹھن منزل میں ایک اکیلا اور دو گیارہ ہیں۔ مشترکہ کوشش سے بڑی مشکل بھی آسان ہو جاتی ہے، بیوی کو خوشی خوشی گھرایا، لیکن جلد ہی معلوم ہوا کہ بیوی کیا ہے مصیبت ہے۔ اس نے مکتب کے اجرا کی خبر سنی، اپنے بال نوچے، میری داڑھی پکڑی، بھلے ہو تو ٹھنڈے ٹھنڈے سورت سدھا رو، ورنہ کچھ چاٹ مروں گی یا کسی طرف نکل بھاگوں گی، میں شائستہ ہمسایہ کے خوف سے آہستہ آہستہ بات کرنا چاہتا تھا، وہ آسمان سر پہ اٹھاتی اور ہمسائیوں کو بلاتی تھی، شور و شغب سن کر لوگ جمع ہو گئے بڑی تشویر ہوئی، میں پیچھا چھڑا کر اندر جا لیٹا اور دروازے کو قفل لگا دیا۔ یارے وہ طوفان تھا۔ وہ تھک کر واویلا سے رکی، لوگ کام کاج کو گئے، میں نے ڈرتے ڈرتے جوئی سر نکالا وہ تاک میں بیٹھی تھی، کم بخت کہہ کر بولی اچھا، میں پھر دیک گیا، جب وہ سو گئی تو رات کے اندھیرے میں باہر نکلا مسجد میں جا کر قضا نمازیں ادا کیں۔ عقل نے کہا عورت کی مان لو، ایمان بولا کہ اخیر میں غلت کر خدا کی امداد خواہ دیر سے آئے، آتی ضرور ہے، میں نے بھی ”ہارے نہ ہمت بسارے نہ رام“ کے مقولے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔

صاحبو! میں اپنی داستان درد مختصر کہتا ہوں، طول بیاں سے کچھ فائدہ نہیں، غرض ہزار خواری اور لاکھ زاری کے بعد اس نیک بخت نے اس شرط پر میرے عزم میں حائل نہ ہونا قبول کیا کہ وہ پاؤں پسار کر سوائے ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھے۔ کام کاج کوئی باندی کر دیا کرے، ماننے کو تو مان گیا، لیکن بلا معاوضہ باندی کہاں سے لاتا، والد مرحوم کی ساری عمر کی محنت کی کمائی ایک ہزار روپیہ نقد اور کچھ زمین تھی۔ ایک ہزار کی زندگی بھر میں قیمت کیا۔ کھیتی خصم سیتی، زمین کی کاشت غیروں سے کرائی آدھی رہ گئی، جس سے نان و نفقہ مشکل سے چلتا تھا۔ باندی رکھنے کی استطاعت کہاں، لاچار میں نے سوچا اپنے پاؤں دھوئی رانی باندی نہیں کہلاتی، گھر کا کام کرتے مجھے کیا عار ہے، چنانچہ شام کو پانی لانے، رات کو چکی پیسنے لگا، صبح اندر باہر صفائی کرتا، آگ جلاتا، کھانا پکاتا، خود کھاتا اور اس کو کھلاتا، پھر بچوں کو سبق

دینے چلا جاتا، مگر اس بیوی کو مجھ پہ اور میرے حال پہ رحم نہ آتا، میں یہ کہہ کر دل کو تسلی دی تو کر، عورت اور اولاد قسمت سے ہی اچھے ملتے ہیں، میرے لئے یہی مقدر تھا جو مل گیا۔

ایک دن بھادوں کی شام کو میں پانی بھرنے گیا تو مطلع صاف تھا۔ گھڑیا بھرتے بھرتے ایک بادل سا اٹھا گھر پہنچتے پہنچتے چھا جوں پانی برسنے لگا،

میرے کپڑے بھیک کر شرابور ہو گئے، کپڑے بدل رہا تھا کہ ہوا لگ گئی، تپ چڑھ آئی، حدت بخار سے بے ہوش سا ہو کر پڑ گیا، اس نیک بخت گھر والی نے نہ کھانا پوچھا نہ پانی، شاید میں کچھ بولا بڑا بڑا ہوں کہ رات کے

بارہ بجے اس نے پوچھا کیوں کیا ہے؟ میں نے جواب دیا بخار۔ وہ یہ کہہ کر کہ میرے سر میں بھی درد ہے۔۔۔ کہہ کر خرائے لینے لگی۔ قریب تین بجے شدت عیش سے زبان تالو سے لگ گئی میں نے دیکھا کہ وہ مصلی پہ کھڑی

تہجد ادا کر رہی ہے۔ اس نے سلام پھیرا تو میں پکارا۔ اے بی بی ذرا پانی دینا، وہ اٹھی ہاتھ اٹھائے اور یہ کہہ کر نیت نماز باندھ لی کہ میں نماز پڑھ رہی ہوں، اٹھ کے لو۔ میں لڑکھڑاتے اٹھا، پانی پیا اور صبر شکر کیا۔ چار بجے

میرا کندھا ہلا کر بولی کہ صبح کے لئے آتا تو ہو گا۔ شام کے لئے نہیں ہو گا۔ غرض یہ تھی کہ سوئے کیوں ہو پیتے کیوں نہیں۔ میں حیران الہی کس بے

رحم سے پالا پڑا ہے، صبح ہوئی بخار ہلکا ہوا، تیمم کیا نماز پڑھی، کچھ کسل تھی ذرا لیٹ گیا، اس نے جو آ کے جھنجھوڑا کہ تمہیں بخار ہو گا، مجھ کو تو کوئی مرض

نہیں، پیٹ کا دوزخ کسی نہ کسی طرح بھرنا ہے، اٹھو آگ جلاؤ، کھانا پکاؤ، یہ کام کئے سے ہو گا، آج جی میں آیا کہ خوب صلو اتیں سناؤں، اس پہ ہاتھ

اٹھاؤں گھر سے نکال دوں، مگر اس چندال سے ڈر آیا کہ چیخے گی، چلائے گی، حملہ بھر کو سر پہ اٹھائے گی، جو سنے گا ہنسے گا، جگ ہنسائی کے خیال سے

پھر خاموش ہو رہا۔ جوں توں کر کے کھانا پکایا، اس نے کھایا، میں خدا کا شکر ادا کیا اور مکتب راستہ لیا۔

آج مکتب سے جلدی فارغ ہو کر چلا آیا، پہلے پانی لایا پھر دروازے کا قفل لگایا، پھر چپ رہا، شام کو کہا اب کوئی ملازمد رکھ لینی چاہئے، وہ بولی کہ گھر

کا کام تو ہی رہا ہے، جو روپیہ اس کو دو گے وہ کسی اور کام آئے گا۔ اب اس کے سامنے بولے کون، جو بولے سو برا، صبر کیا، چپ رہا، تین برس کے بعد

خدا نے فرزند عطا کیا، بڑی خوشی ہوئی مگر بیوی کا مزاج اور بگڑنے لگا چند سال کی تیری خوشامد ہے، پھر میرا لال جوان ہو جائے گا۔ بہتیرا کمالائے

گا۔

میرے ایک شاگرد کی والدہ جو باوجود عسرت زدہ ہونے کے محلے بھر کی مدد و مدد و مدد تھی۔ ہر ایک سے میٹھا بولنے والی، اور برے وقت میں ہر

کس ناکس کے کام آنے والی تھی، ایک دن اس کے کان میں میرے گھر والی کے اعمال کی بھیک جو پڑی، تو بھاری ناصح مشفق بن کر آئی، اور ادھر

ادھر کی باتیں کر کے بولی بی بی رحمن خدا اس گاؤں کے لوگوں سے بچائے، کل ایک ڈومنی آئی، بولی بی بی کچھ سنا، میں نے پوچھا کیا؟ کہا آپ

کے لڑکے کے استاد کے گھر آئے دن وہ ہم جمع جتنی ہے کہ تو بہ ہی بھلی، میں نے کہا وہ زبان دراز نیک باپ کی بیٹی، اچھے خاوند کی بیوی بھلا لڑائی جھگڑا

کیوں کر گوارا کر سکتی ہے۔ کیا اس کو اتنا بھی علم نہیں کہ خاوند کی خدمت سے خدا خوش ہوتا ہے۔ مخلوق سے محبت خالق سے رحم کا باعث بنتی ہے۔ یہ نماز

روزے بدوں خدمت خلق کس کام کے۔ یہ عبادات گزار یاں حسن سلوک کے دوش بدوش رہیں تو کچھ معنی رکھتی ہیں، ورنہ پتھر دلوں کے جدے بے

سود اور سرزمین پہ مارنے کے برابر ہیں۔ پہلے تو وہ چپ کے سنا کی۔ پھر غصے سے تھرائی اور پنچے جھاڑ کے اس کے پیچھے پرگنی کے بیجاری کو پیچھا چھڑانا

مشکل ہو گیا۔ کچھ نہ پوچھو کیا کیا کچھ کہا یہ اس سوچ میں تھی کہ ٹھہرے یا بھاگے۔ اسے بری مصیبت کا سامنا تھا۔ جس منوں وقت میں نصیحت کوشی

کا خیال آیا تھا، اسے کوسنی ہوگی۔ خوشی کے گھوڑے پہ سوار آئی تھی، شرمندہ و نام آہستہ آہستہ لوٹنے لگی۔ وہ بھی بولتی کتنی گھر کے دروازے تک پہنچا کے

واپس آئی۔ میں اندر ہی تھا سب کچھ دیکھا سنا۔ دم نہ مارا۔ تاہم اس نے مجھے سنانے کو کہا کہ کیسے گندہ گاروں کا گاؤں ہے کہ روزہ نماز کو کچھ سمجھتے ہی

نہیں۔ اور خلقت کی خوشامد کو بڑا گن جانتے ہیں۔ صاحبو! یہ کتنا میں نے اس لئے سنائی ہے کہ آپ کو میرے کام کی مشکلات کا

تھوڑا سا اندازہ ہو جائے، جس خاوند کی زوجہ رفاقت نہ کرے، وہ کوئی معرکے کا کام خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے سکتا، جس مرد کی عورت

ٹانگ پکڑ کر نیچے کھینچے اس سے کوئی بام ترقی پہ پہنچنے کی کوئی امید کرے۔ عورت کا خمیر مایہ مٹی سے گویا مرد ہی کی طرح اٹھایا گیا مگر عناصر کی ترکیب

میں وہ مرد سے جدا معلوم ہوتی ہے۔ وہ نار اور نور دونوں کی طرف متوجہ ہے۔ اس میں خاکستر کر دینے کی بھی خاصیت ہے اور تار یکپوں کو دور کر دینے کی صلاحیت بھی۔ اس کی کا نا چھوٹی یا تو شیطان سے ہے یا فرشتوں

سے۔ جب تک یہ تو متضاد وصف جھجک اور شرم کے پردوں میں مستور ہیں وہ عارضی طور پر انسان ہے، ورنہ دونوں میں سے ایک۔ اگر علوی سرشت بیدار ہے تو زہے قسمت۔ دونوں مستقل خصلتیں خوابیدہ ہوں تو بھی خیر ہے۔ انسان کا انسان سے نباہ آسان ہے، میاں بیوی کی نبھ جائے گی۔ اگر سرشت میں سفلی عناصر کا غلبہ ہے تو خدا کا دامن بندہ نواز ہو۔ بے چارے مرد کو کہاں پناہ ہے۔ شیطان صرف لاحول سن کے بھاگ جاتا ہے مگر یہ بلا تو دعائے سریانی سے بھی نہیں ملتی۔ عورت کی فطرت کی بونٹوں میں سے ناواقف لوگ اس لئے مجھے ”کاٹھ کا الو“ اور ”مٹی کا مادھو“ کہتے ہیں کہ میں زبان بلا کر سمجھاتا نہ تھا اور ہاتھ اٹھا کر ڈراتا نہ تھا۔ مگر میں جانتا تھا کہ بد خو عورت سے جھگڑا کرنے کی نسبت سانپوں سے کھیلنا کم خطرناک ہے۔ خیر یہ تو چار دیواری کی سرگزشت تھی۔۔۔ چوہری افضل حق کی کتاب ”زندگی“ سے اقتباسات (جاری ہے)

خون جگر داتلی تے رکھ کے تے
دھرتی پوچدے پوچدے گزر چلے
استھے کنویں گزاریے زندگی نوں
ایہو سوچدے سوچدے گزر چلے
استاد دامن

پاکستان کا مطلب کیا

گھر رہنے کو چھوٹا سا

(حبیب جالب)

پاکستان کا مطلب کیا

گھر رہنے کو چھوٹا سا

مفت مجھے تعلیم دلا

میں بھی مسلمان ہوں واللہ

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔۔۔

امریکہ سے مانگ نہ بیک

مت کر لوگوں کی تضحیک

روک نہ جمہوری تحریک

چھوڑنا آزادی کی راہ

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔۔۔

کھیت ڈیڑوں سے لے لو

مٹیں لیروں سے لے لو

ملک اندھیروں سے لے لو

رہے نہ کوئی مالی جاہ

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔۔۔

سرحد، سندھ، بلوچستان

تینوں ہیں پنجاب کی جان

اور قاتل ہے سب کی آن

آئے نہ ان کے لب پر آہ

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔۔۔

بات بھی ہے بنیادی

لوگوں کو ہوا آزادی

عاصب کی ہو برپادی

حق کہتے ہیں حق آگاہ

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔۔۔

ماہرین کہتے ہیں کہ اگر پاکستان میں ایک مرتبہ زیتون کا باغ لگالیں تو وہ کم از کم ایک ہزار سال تک پھل دیتا رہے گا۔

زیتون کے باغات پنجاب سمیت پاکستان کے تمام علاقوں میں کامیابی لگائے جاسکتے ہیں، حتیٰ کہ چولستان میں بھی زیتون کی کاشت ہو سکتی ہے۔

زیتون کا پودا ہر طرح کی زمین مثلاً ریتیلی، پکی، پتھریلی، صحرائی زمینوں میں کامیابی سے لگایا جاسکتا ہے۔ صرف کھروالی زمین یا ایسی زمینیں جہاں پانی کھڑا رہے، زیتون کے لئے موزوں نہیں ہیں۔

زیتون کے پودے کو شروع شروع میں تقریباً دس دن کے وقفے سے پانی لگانا چاہئے، جیسے جیسے پودا بڑا ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اس کی پانی کی ضرورت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ دو سال کے بعد زیتون کے پودے کو 20 سے 25 دن کے وقفے سے پانی لگانا چاہئے۔

زیتون کے پودے موسم بہار، یعنی فروری، مارچ، اپریل یا پھر مون سون کے موسم یعنی اگست، ستمبر، اکتوبر میں لگائے جاسکتے ہیں۔

زیتون کا باغ لگاتے ہوئے پودوں کا درمیانی فاصلہ 10x10 فٹ ہونا ضروری ہے۔ اس طرح ایک ایکڑ میں تقریباً 400 پودے لگائے جاسکتے ہیں، یہ بھی دھیان رہے کہ زیتون کے پودے باغ کی بیرونی حدود سے تقریباً 8 سے 10 فٹ کھیت کے اندر ہونے چاہئیں۔

پودے لگانے کے لئے 2 فٹ گہرا اور 2 فٹ چوڑا گڑھا کھودیں، اس کے بعد زرخیز مٹی اور بھل سے گڑھوں کی بھرائی کر دیں۔ اب زیتون کا پودا لگانے کے لئے آپ کی زمین تیار ہے۔

پودے کو احتیاط سے شاہر سے نکالیں تاکہ گچی وغیرہ ٹوٹ کر جڑوں کو ہوانہ لگ جائے، گڑھے کی مٹی کھود کر پودا لگائیں اور اس کے بعد پودے کے چاروں طرف مٹی کو پاؤں کی مدد سے دبا دیں تاکہ پودا مستحکم ہو جائے، چھوٹے پودے کا تناؤ نازک ہوتا ہے اس لئے پودے کو پلاسٹک کے پائپ سے سہارا دے دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ سہارے کے لئے لکڑی کا استعمال نہ کریں کیونکہ لکڑی کو دیمک لگ سکتی ہے، جو بعد میں پودے پر بھی حملہ آوار ہو سکتی ہے۔

پھوہار اور اس کے ملحقہ اضلاع کے لئے درج ذیل اقسام کاشت کی جاسکتی ہیں۔

نمبر 1: لسیو

نمبر 2: گیملک

نمبر 3: پینڈولینو

نمبر 4: نبالی

نمبر 5: آربوسانا

نمبر 6: کوروئکی

نمبر 7: آرتیقوینہ

پنجاب اور سندھ سمیت دیگر گرم علاقوں میں درج ذیل اقسام کاشت کی جا سکتی ہیں

نمبر 1: آربوسانا

نمبر 2: کوروئکی

نمبر 3: آرتیقوینہ

یاد رکھیں زیتون کا باغ لگاتے وقت کم از کم دو یا دو سے زائد اقسام لگانی چاہئیں اس طرح بہتر بار آوری کی بدولت پیداوار اچھی ہوتی ہے۔

کھاد دوسرے سال کے پودے کو ڈالیں۔ دوسرے سال کے پودے کے لئے:

گوبر کی کھاد۔۔۔۔۔ 5 کلوگرام فی پودا ڈالیں۔۔۔۔۔ اگلے سالوں میں ہر سال 5 کلوگرام کا اضافہ کریں

ناٹروجن کھاد۔۔۔۔۔ 200 گرام فی پودا ڈالیں۔۔۔۔۔ اگلے سالوں میں ہر سال 100 گرام کا اضافہ کریں۔

فاسفورس کھاد۔۔۔۔۔ 100 گرام فی پودا ڈالیں۔۔۔۔۔ اگلے سالوں میں ہر سال 50 گرام کا اضافہ کریں

پوٹاش کھاد۔۔۔۔۔ 50 گرام فی پودا ڈالیں۔۔۔۔۔ اگلے سالوں میں ہر سال 50 گرام کا اضافہ کریں۔

عام طور پر تین سال بعد زیتون کے پودے پر پھل لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ زیتون کے پودے پر پھل پہلے سبز اور پھر جامنی ہو جاتا ہے، ہنر پھل اچار کے لئے اور جامنی تیل نکالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

زیتون کے پودے کی پیداوار کا اندرومدار اس بات ہے کہ آپ نے پودے کی دیکھ بھال کس طرح سے کی ہے۔ اچھی دیکھ بھال کی بدولت ایک پودے سے 60 کلوگرام یا اس سے بھی زیادہ پھل حاصل کیا جاسکتا

ہے۔ لیکن اگر دیکھ بھال درمیانی سی کی گئی تو 40 کلوگرام فی پودا پھل حاصل ہو سکتا ہے۔ انتہائی کم دیکھ بھال سے پودے کی پیداوار 25 سے 30 کلوگرام فی پودا تک گر سکتی ہے۔

اہم نوٹ

زیتون کے حوالے سے ماہرین کی رائے یہ ہے کہ اس کی جنگلی اقسام پورے پاکستان میں ملتی ہیں، لیکن تیل کے لئے جو مخصوص اقسام ہیں یہ صرف ایسے علاقوں میں قابل کاشت ہیں جہاں گرمی میں موسم معتدل رہے، اور سردی کے موسم میں سردی ہو، ماہرین نے پورے پاکستان کا سروے کے بعد تیل والی اقسام کے لئے سوات، دیر، مالاکنڈ، خضدار، لورا لائی، یا اس جیسا موسم رکھنے والے علاقوں کو بہترین قرار دیا ہے۔ البتہ اچاری زیتون کے لئے راولپنڈی، چکوال جیسے علاقے بہتر سمجھے گئے ہیں۔ پودے پاکستان میں کہیں بھی چل سکتے ہیں آب و ہوا کا فرق صرف پروڈکشن اور کوالٹی کے حساب سے ہے۔ اس لئے ایسے موسم سے ہٹ کر موسم رکھنے والے افراد پہلے تجرباتی پودے لگائیں، علاقے میں کوئی بھی نیا باغ یا فصل لگانے سے پہلے پودے کی زمینی اور موسمیاتی ضروریات کو ضرور سمجھیں، اگر ان میں کوئی ایک چیز موافق نہ ہو تو زیادہ محنت سے بھی اس حد تک کامیابی ممکن نہیں، جتنی موافق زمین و موسم میں روٹین کی محنت سے ممکن ہے، زراعت بہت وسیع اور درائٹیز سے بھرپور فیلڈ ہے، دوسروں کے لال گال دیکھنے کے ساتھ دوسری چیزیں بھی ضرور دیکھیں، اور کھادوں میں بھی ایک دوسرے کی کاپی کرنے کا بہت رجحان ہے، حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے متصل ایکڑ کی کھاد کی ضروریات مختلف ہیں، اس لئے ہر ایکڑ کا لیب ٹیسٹ ضرور کروائیں۔ (بشکریہ۔۔ ملیر یوتھ کراچی)



لہذا ماہرین زیتون کے باغات کی فی ایکڑ پیداوار کا حساب لگانے کے لئے 25 کلوگرام فی پودا پیداوار کو سامنے رکھتے ہیں۔

اس طرح ایک ایکڑ میں موجود (اوسط) 400 پودوں سے 10000 کلوگرام زیتون کا پھل حاصل ہو سکتا ہے۔

ایک ایکڑ کے پھل سے کتنا تیل نکل آتا ہے؟

بہتر یہ ہے کہ زیتون کے کاشتکار اسے پیچھے کی بجائے اس کا تیل نکلوائیں اور پھر اس تیل کو مارکیٹ میں فروخت کریں، زیتون کے پھل سے 20 سے 30 فیصد کے حساب سے تیل نکل آتا ہے۔

20 فیصد کے حساب سے ایک ایکڑ زیتون کے پھل (10000 کلوگرام) سے تقریباً 2000 کلوگرام تیل نکل آتا ہے۔

فی ایکڑ آمدن کتنی ہو سکتی ہے؟

یوں تو مارکیٹ میں بڑے بڑے سپر سٹوروں پر آپ کو زیتون کا تیل کوالٹی کے حساب سے 800 روپے سے لے کر 1100 روپے فی کلو تک مل سکتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ سارے کا سارا تیل باہر سے درآمد کیا جاتا ہے۔ جس کی کوالٹی پر ماہرین کے شدید تحفظات ہیں۔ ماہرین کہتے ہیں کہ مختلف برانڈوں کا درآمد شدہ تیل جو پاکستانی مارکیٹ میں بک رہا ہے یہ خالص زیتون کا نہیں ہے بلکہ اس میں کئی دوسرے تیلوں کی ملاوٹ کی جاتی ہے۔

گرین ایگرو کی معلومات کے مطابق چکوال میں تحقیقاتی ادارے کے پلانٹ سے نکالا جانے والا تیل کم از کم 2000 روپے فی کلو کے حساب سے بک رہا ہے۔ واضح رہے کہ چکوال کا زرعی ترقیاتی ادارہ کسانوں کو تیل نکالنے کی مفت سہولت فراہم کر رہا ہے۔ اگر ریٹ واقعی 2000 روپے کلو ہو تو آپ آمدن کا حساب لگا سکتے ہیں۔ گرین ایگرو نے آمدن معلوم کرنے کے لئے 800 روپے فی کلوگرام کے ریٹ کو سامنے رکھا ہے۔

اس طرح سے 2000 کلوگرام تیل سے حاصل ہونے والی آمدن تقریباً 16 لاکھ روپے بنتی ہے۔ اگر باغ کی دیکھ بھال اچھے طریقے سے کی جائے تو آمدن دوگنی ہو سکتی ہے۔

پلاٹوں کی الاٹمنٹ:

خدا کی بستی 3 فیز 1 کا کل رقبہ 160 ایکڑ ہے جبکہ فیز 2 کا کل رقبہ 140 ایکڑ ہے فیز 1 میں کل رہائشی پلاٹوں کی تعداد 1754 ہے جو 80 مربع گز کے ہیں۔ اب تک دیئے گئے پلاٹوں کی تعداد 1,675 ہے۔ فیز 2 میں کل رہائشی پلاٹوں کی تعداد 1,116 ہے یہ بھی 80 مربع گز کے ہیں۔ اب تک دیئے گئے پلاٹوں کی تعداد 1112 ہے۔

واجبات کی وصولیابی:

فیز 1 کی وصول شدہ رقم 1300000 روپے ہے۔

فیز 2 کی وصول شدہ رقم 1200000 روپے بنتی ہے۔

ترقیاتی کاموں کی تفصیل

سیوریج:

فیز 1 سیوریج لائن 39,825 رنگ فٹ ہے آبادی میں کل 94 گلیاں ہیں اور اب تک تمام گلیوں میں سیوریج کا کام مکمل ہو چکا ہے۔ باقی 14 گلیوں میں سیوریج کا کام جلد شروع کر دیا جائے گا۔ آبادی میں کل کنکشن 1,675 ہیں۔ اب تک بچھائی گئی سیوریج لائن کی لمبائی 35212 رنگ فٹ ہے جبکہ 1438 رنگ فٹ لائن بچھانا باقی ہے۔ فیز 2 میں سیوریج لائن 26731 رنگ فٹ ہے اس میں سے 17813 فٹ ڈالی جائے گی۔ فیز 2 میں 1,200 رنگ فٹ لائن برساتی پانی کی نکاسی کیلئے جاری تھی اب وہ مکمل ہو گئی ہے۔ 24 انچ کی External لائن اور بارہ انچ کی مین لائن کا کام مکمل ہو چکا ہے۔

سالڈ ویسٹ:

اس وقت بستی میں 6 سو پچھتر زنگیوں میں کچرے کی صفائی ستھرائی کا کام انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سانبان اور بستی کے رہائشیوں کے باہمی تعاون سے بھی سولڈ ویسٹ پروگرام پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس پروگرام کے تحت منتخب گلیوں میں 7 خا کروب کام کر رہے ہیں۔ فی گھر 70 روپے ماہانہ چارجز لئے جاتے ہیں۔

محلہ کمیٹی:

اس وقت علاقے میں لوگوں نے اپنے محلے کے حساب سے محلہ کمیٹیاں بنائی ہوئی ہیں جو اپنے اپنے محلے کے مسائل کے حل کے لیے علاقہ کنسلر اور سانبان آفس

سے رابطے میں رہتے ہوئے محلے والوں کے مسائل کے حل میں مصروف ہیں۔ خاص طور پر ان محلہ کمیٹیوں کی توجہ موجودہ حالات کے پیش نظر محلہ اور علاقے کی سیکورٹی پر زیادہ ہے۔

بجلی:

بستی کے مکینوں کو بجلی کے حصول کیلئے این اوی جاری کی جا رہی ہیں۔ اب تک 2400 افراد نے این اوی حاصل کر لی ہے جبکہ 1062 افراد نے یہاں موجود کنٹریکٹر کے پاس اپنے درخواست فارم جمع کروائے ہیں۔ اب تک تقریباً 1804 سے زائد گھروں میں میٹر لگ چکے ہیں۔ بستی کی مختلف گلیوں میں 150 سٹریٹ لائٹس لگ چکی ہیں۔

گیس:

گیس لائن ڈالنے کا تمام کام مکمل ہو چکا ہے۔ بستی کے لوگوں نے گھروں میں سوئی گیس کی فٹنگ کروانا شروع کر دی ہے۔ اب تک 2600 گھروں میں میٹر لگ چکے ہیں اور گیس سپلائی شروع ہو چکی ہے۔

پانی:

فیز 1 میں پانی کی فراہمی کے لیے تمام کام ہو گیا ہے اور اب باضابطہ واٹر بورڈ کی طرف سے پانی کی فراہمی شروع ہو گئی ہے گوکہ ابھی شیڈول طے نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو تھوڑی پریشانی ہوتی ہے لیکن پھر بھی لوگ خوش ہیں کہ پانی تو آنے لگا ہے۔ اب اس کا شیڈول بھی طے ہو جائے گا جبکہ فیز 2 میں پانی کی فراہمی کا کام مکمل ہو چکا ہے۔

غیر سرکاری تنظیمیں:

بستی میں اس وقت 16 غیر سرکاری تنظیمیں صحت، تعلیم اور دیگر شعبوں میں اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ انہوں نے بستی کے آغاز بھی انتہائی اہم کردار ادا کیا تھا۔ فعال غیر سرکاری تنظیموں کے نام اور شعبے یہ ہیں:

لہمیں ٹرسٹ	(تعلیم)
دی سیٹیون فاؤنڈیشن	(تعلیم)
ہمدرد فاؤنڈیشن	(صحت)
بقائی فاؤنڈیشن	(صحت، تعلیم)
رافا ویلفیئر ٹرسٹ	(صحت، کھانا گھر)
ہولی مونٹین ٹرسٹ	(تعلیم)
الشفا ویلفیئر ایسوسی ایشن	(صحت)

سعید ویلفیئر ٹرسٹ

(صحت، فلاحی کام، کھانا گھر)

صحت:

اسن فاؤنڈیشن

(طالب علموں کے لیے نظہرانہ)

خدا کی بستی ویلفیئر ایسوسی ایشن

(فلاح و سماجی بھلائی)

عمل دانش

(تعلیم)

ہیلپ

(صحت)

آسرو ویلفیئر ٹرسٹ

(غریبوں کے لئے کھانا، فلاحی سماجی کام)

اوپلی پی

(مشاورت برائے سیورج سسٹم)

تعلیم:

اس وقت خدا کی بستی ۳ میں ۱۱ غیر سرکاری سکول قائم ہیں جہاں بستی اور اس سے ملحقہ آبادیوں کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں یہ سکول غیر سرکاری تنظیموں کے تحت چلائے جا رہے ہیں۔ ان کے علاوہ ۶ ٹیوشن سنٹرز اور دینی تعلیم کے ۴ مدرسے قائم کئے گئے ہیں۔ وفاقی حکومت کے اشتراک سے نیشنل ایجوکیشن فاؤنڈیشن کے تحت تین این جی اوز کی سرپرستی میں اس وقت ۱۲ ہوم سکول بستی میں قائم کئے گئے ہیں۔ ان میں ۹ ہوم سکول ہیوز (Heath Education Welfare Society) نامی این جی او کے تحت چل رہے ہیں۔ جبکہ ۱۲ سکول Al Bosser اور ایک سکول لکھن نامی ایک این جی او کے زیر نگرانی چل رہے ہیں ان سکولوں میں Multi Grade Teaching Method سے پڑھایا جاتا ہے۔ ان سکولوں میں بچوں کو مفت تعلیم دی جا رہی ہے اور کتا ہیں اور کتابیں بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ اساتذہ کو ان کی تعلیمی قابلیت کے مطابق تنخواہ دی جاتی ہیں یعنی میٹرک تعلیم کے لیے تین ہزار، انٹر میڈیٹ کے لیے چار ہزار اور لی اے یا زائد کے لیے پانچ ہزار ماہانہ تنخواہ دی جاتی ہے۔ الہیمن ٹرسٹ کے زیر نگرانی قائم ”الہیمن انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ سائنس اینڈ ٹیکنالوجی“ جس میں نرسری سے میٹرک تک اور پولی ٹیکنیک کے تین سالہ ڈپلومہ کورسز کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ علاوہ ازیں دی سٹیزن فاؤنڈیشن کی جانب سے بستی میں عمل دانش سکول، ہولی مونٹین سکول اور سعدی پبلک سکول نامی دو پرائمری سکول اور ایک سینڈری سکول قائم کئے گئے ہیں۔ فیز ۱ اور ۲ میں ٹی ایس ایف سکولوں میں دوپہر کی شفٹ میں بھی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہاں ۲۲۰۰ گزرتے پر مشتمل لڑکیوں اور لڑکوں کے کے لئے سکول کا تعمیراتی کام مکمل ہو گیا ہے۔ اور اسکولوں میں پڑھائی شروع ہو چکی ہے۔ اسپیشل بچوں کی تعلیم کے لئے کمیونٹی سینٹر میں جگہ مہیا کی گئی ہے۔ جہاں Diya Foundation کے زیر اہتمام بچوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔

اس وقت بستی میں ۱۴ پرائیویٹ کلینک اور ایک بڑا پرائیویٹ ہسپتال، ۲ میٹرنی ہوم، اور ۳ ہیلتھ سنٹر طبی سہولیات فراہم کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ رافا سوشل ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر نگرانی بستی کے معذور بچوں کی صحت کی بحالی کا کام انجام دیا جا رہا ہے جبکہ بھائی فاؤنڈیشن کے زیر انتظام ایک بڑا اسپتال تکمیل کے مراحل میں ہے۔ اس اسپتال میں روزانہ O.P.D کی جا رہی ہے، روزانہ ۱۲۵ سے ۱۵۰ مریض یہاں سے دوائیں مفت حاصل کرتے ہیں اور ایسولینس کی سہولت بھی موجود ہے۔ آپریشن تھیٹر کی تیاری مکمل ہو چکی ہے۔ ہولی ماؤنٹین ٹرسٹ کی جانب سے کلینک کام کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ HELP نام سے ایک این جی او بستی میں صحت عامہ کے حوالے سے ڈسپنری چلا رہی ہے اور ہمدرد فاؤنڈیشن کے زیر نگرانی ایک کلینک بھی صحت عامہ پر کام کر رہا ہے۔

شجرکاری:

شجرکاری کو فروغ دینے کیلئے بستی کے فیز ۱ میں ٹریمنٹ پلانٹ کے ذریعے ایک بڑی نرسری قائم کی گئی ہے۔ نرسری کا کل رقبہ ۶۶۶ مربع گز ہے۔ جس میں اس وقت مختلف اقسام کے ۵۰۰ درخت ہیں۔ جس میں موہی بنزیاں اور بڑے درختوں میں نیم، ربڑ، بادام، برگد، جامن اور سن فلاور شامل ہیں۔ واٹر ٹریمنٹ پلانٹ کے ذریعے بستی میں سبزہ بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ادارے کی طرف سے ۵۲۵ پودے بھی لگائے گئے ہیں اور لوگوں میں مفت تقسیم بھی کئے گئے ہیں۔ پودوں کی حفاظت کیلئے ۱۴۰ حفاظتی جنگلے بستی میں لگائے گئے اور لوگوں میں تقسیم بھی کئے گئے ہیں۔ فیز ۲ میں ٹریمنٹ پلانٹ تعمیر ہو چکا ہے۔ پارک کا رقبہ ۶۶۳۹ مربع گز ہے۔ پلانٹ کے ذریعے پارک میں پانی آنے کے ساتھ ہی پودے لگانے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔

چلڈرن پارک:

فیز ۱ میں اس وقت ایک چلڈرن پارک ہے۔ جس میں بچوں کی تفریح کیلئے جھولے لگائے گئے ہیں جبکہ فیز ۲ میں چارمخہ پارک بنائے گئے ہیں۔ جس میں اب تک ۱۴۰ سینٹ کے بنے ہوئے ٹری گارڈز، ۲ جھولے اور ۳ عدد سلائیڈز تعمیر ہو چکی ہیں اور چوتھے پارک میں سلائیڈ کی تعمیر اور پارک کے اطراف میں تاروں کی باڈ لگانے کا کام بھی مکمل ہو گیا ہے۔ فیز ۲ میں الہیمن ٹرسٹ کے تعاون سے ایک خواتین پارک بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ اس پارک کی تعمیر علاقے کی خواتین بہت خوش ہیں۔

انکم جزینگ پروگرام:

ادارہ سائبان کی شروع دن سے کوشش رہی ہے کہ بستی میں ایسے لوگوں کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جائے جو یہاں ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جس سے یہاں کے لوگوں بالخصوص خواتین کو بستی میں ہی روزگار مل سکے۔ اسی سلسلے میں دیگر اور کام جس سے لوگوں کو بستی میں ہی روزگار مہیا کیا ہو سکے۔ سائبان کمیونٹی سینٹر میں قائم ورکس سینٹر میں گارمنٹس کا کام چل رہا ہے اس میں تمام کاریگر بستی کے ہی رہائشی ہیں۔ کوشش کی جارہی ہے کہ اس کو مزید وسعت دی جائے تاکہ زیادہ زیادہ بستی کے لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے۔

32

کچھ دے ناں (لظم)

ماں جے تیری ، ماما ہوندى
چو جے تیرا، پاپا ہوندا
تیرا ہور سراپا ہوندا

کے ایف سی دے بوہے اگے
جھوٹا تیرا لوکی کھانڈے
لتھا تیرا لے کے پانڈے

توں دی بانا اندر وڑ کے
جتیاں پا پا سدا جاندا
پاپا تینوں فیر مناندا

تھپڑ دی تھان برگر کھاندا
اتھرو دی تھان پیپسی پیندا
توں دی روز دیہاڑی جیندا

تیری کچھ تے پتھر بنھ کے
ماں نہ تیرے ہون نون روندی
نک تھانڑی تہذیب نہ چوندى

صائمہ اشرف



خدا کی بستی-3 کنکریٹ گلیوں کی تیاری کا منظر

سول سروسز اکیڈمی کے زیر تربیت ڈی ایم جی افسران کا دورہ خدا کی بستی ۴

مورخہ یکم فروری 2018ء کو سول سروسز اکیڈمی کے 45 ویں CTP زیر تربیت افسران نے خدا کی بستی ۴ کا مطالعاتی دورہ کیا۔ وفد کا استقبال جناب حافظ راشد محمود کے ساتھ ایم اے ایچ بڑی، سیف الرحمان خان و دیگر سٹاف نے کیا۔ وفد کے ارکان نے بستی کے خوبصورت ماڈل کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ حکومت کو بھی کم آمدنی والے افراد کیلئے ایسی ماڈل بستیاں آباد کرنی چاہئیں تاکہ ہمارے ملک میں رہائش کا مسئلہ حل کیا جاسکے۔

وفد میں شامل افسران نے اپنے تاثرات میں کہا کہ بحریہ ٹاؤن اور ڈی ایچ اے جیسی مہنگی ہاؤسنگ سکیمیں تو بری تیزی سے بن رہی ہیں مگر کم آمدنی والے افراد کیلئے اس طرح کی سکیمیں بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ میزبان جناب حافظ راشد محمود نے کہا کہ اگر حکومت ملک میں رہائش کا مسئلہ حل کرنا چاہتی ہے تو وہ سائبان کے اپنی مدد آپ کے ماڈل سے استفادہ کر سکتی ہے۔

لاہور سکول آف اکنامکس کی طالبات کا دورہ خدا کی بستی ۴

لاہور سکول آف اکنامکس کی طالبات نے مورخہ 30 مارچ بروز جمعہ پروفیسر رابعہ نادر کی قیادت میں ہر سال کی طرح اس سال بھی خدا کی بستی ۴ کا دورہ کیا اور اس پروجیکٹ میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔ طالبات نے بستی کے مختلف بلاکس کا بھی دورہ کیا اور رہائشیوں سے بات چیت کی۔ انہوں نے کہا کہ اس بستی کا بہت نام سنا تھا آج یہاں آکر معلوم ہوا کہ واقعی یہ کم آمدنی والے لوگوں کے لئے ایک شاندار منصوبہ ہے۔ انہوں نے بستی میں موجود سکولوں کے معیار کو بھی سراہا۔ اور کہا کہ شہروں میں ایسے سکول لوگوں سے ہزاروں روپے فیس وصول کر رہے ہیں جبکہ یہاں فیس نہ ہونے کے برابر ہے۔ سائٹ مینیجر جناب سیف الرحمان نے پروفیسر رابعہ نادر اور طالبات کا شکریہ ادا کیا۔

میلہ جشن بہاراں

مورخہ 22 اپریل 2018ء خدا کی بستی ۴ میں جشن بہاراں کے میلے کا انعقاد کیا گیا جس میں لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ اس میلے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں لاہور میں ہونے والی مولانا عبید اللہ سندھی کانفرنس میں شرکت کرنے والے مہمان بھی شریک ہوئے۔ میلے میں رنگا رنگ پروگرام پیش کئے گئے جبکہ بستی کے لوگوں نے مختلف کھانے پینے کی چیزوں کے سٹال بھی لگائے۔ سٹالوں پر لوگوں کا خوب رش رہا۔ ہر کسی نے اپنی اپنی پسند کی چیزوں پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ رات کو محفل موسیقی کا بھی اہتمام کیا گیا جس میں مقامی فنکاروں نے اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔ نوجوانوں نے میوزک کی تھاپ پر ڈانس بھی کیا جبکہ خواتین اور بزرگوں نے بڑے پرسکون انداز میں ماحول کا لطف اٹھایا اور فنکاروں کو خوب داد دی۔ نظم و ضبط کے لحاظ سے یہ ایک انتہائی مثالی میلہ تھا۔ جس کا سارے کا سارا کریڈٹ بستی کے لوگوں کو جاتا ہے جنہوں نے مختصر وقت میں دن رات کی محنت سے اس پروگرام کو کامیاب کرایا۔ خاص طور پر بستی کے نمائندگان جناب علی احمد، جناب مرزا عقیل بیگ اور جناب شیریں خان نے اس میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ علاقے کی پوسی چیئرمین جناب رانا عمران قیصر نے اپنے ساتھیوں سمیت شرکت کی۔

اس برس جشن بہاراں کے سلسلے میں بستی کے تمام بلاکوں کے درمیان اپنا اپنا بلاک سجانے کا مقابلہ منعقد کیا گیا، لوگوں نے اس میں جوش و خروش کے ساتھ حصہ لیا اور ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنے بلاک کو سجانے کی بھرپور کوشش کی۔ بلاکوں کے سجنے سے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہاں شادی کا سماں ہے۔ بلاکوں میں خوبصورت لائٹیں لگا کر ان کی خوبصورتی میں اضافہ کیا گیا تھا۔ اس مقابلے میں بلاک J اور بلاک G نے مشترکہ طور پر پہلی جبکہ بلاک D اور بلاک A نے مشترکہ طور پر دوسری پوزیشن حاصل کی۔

رات گئے میلے کی اختتامی تقریب منعقد کی گئی جس میں تمام مرد و زن، بچے بوڑھے شریک ہوئے۔ مہمانان خصوصی جناب حافظ راشد محمود، کراچی سے آئے ہوئے معزز مہمان جناب عبدالمؤمن مین اور چیئرمین یونین کونسل رانا عمران قیصر تھے۔ جناب عبدالمؤمن مین نے میلے کے انعقاد پر لوگوں کو مبارکباد پیش کی اور کہا کہ میں کراچی میں بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ ملتا

”پردین رحمان کی زندگی پہ بننے والی فلم کا اعزاز“

معروف سماجی کارکن پردین رحمان آرکیٹیکٹ اور اربن پلانر تھیں، اورنگی پائلٹ پراجیکٹ کی ڈائریکٹر تھیں، یہ ادارہ 1980 سے کم آمدنی والے افراد کے علاقوں میں سیوریج لائنوں کی تنصیب کے حوالے سے اپنی مدد آپ کے تحت لوگوں کی ٹیکنیکل رہنمائی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ کچی آبادیوں کے مسائل، تعلیم اور معاشی خود کفالت کے حوالے سے بھی یہ ادارہ اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

پردین رحمان کو 13 مارچ 2013 میں کراچی میں شہید کر دیا گیا۔ ان کی کراچی اور ملک کے دیگر علاقوں کے غریب کمیونٹی کی مدد کے حوالے سے گراں قدر خدمات کے اعتراف میں فلم میکس ماہرہ عمر نے ان کی زندگی پہ ڈاکو میٹری فلم بنائی، جو کہ گیارہویں استنبول انٹرنیشنل آرکیٹیکچر اینڈ فلم فیسٹیول منعقدہ ترکی میں نمائش کے لئے پیش کی گئی اور اس فلم کو دوسری بہترین ڈاکو میٹری فلم کے ایوارڈ سے نوازا گیا۔

”خوابہ سراؤں کے لئے اسکول کا افتتاح“

حکومت پنجاب نے خوابہ سراؤں کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے ان کے لئے اسکول قائم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ”دی حبیب رگا رڈین“ نامی اسکول میں خوابہ سراؤں کو پرائمری سائنس میڈیٹک تک کی 12 سالہ تعلیم دی جائے گی، اس کے علاوہ وہ اسکول سے ٹیکنیکل تعلیم، یعنی فیشن ڈیزائننگ، ہیوٹھن، ہیئر سٹائلنگ، کڑھائی، موبائل ریپیرنگ، گرافکس ڈیزائننگ، کمپیوٹر بیسیک اپلیکیشن، اور دیگر کورسز کی تعلیم بھی حاصل کر سکیں گے۔ خیال رہے کہ یہ اسکول ایکسپو رنگ فیوچر ایجوکیشن، نامی غیر سرکاری ادارے کے تعاون سے بنایا جائے گا۔ کولہج سراؤں کے اس اسکول کی پہلی برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور، دوسری برانچ اسلام آباد، اور تیسری برانچ کراچی میں بنائی جائے گی۔

شادی خانہ آبادی

خدا کی بستی ۴ بلاک K کے رہائشی عنصر اعوان کے بیٹے عبید غنصر اعوان کی شادی خانہ آبادی مورخہ 21 اپریل بروز ہفتہ انجام پائی۔ دوسرے دن دیسے کا اہتمام کیا گیا جس میں مہمان رشتہ داروں کے علاوہ بستی کے لوگوں

جلتا رہتا ہوں مگر کبھی بھی حقیقی سکون محسوس نہ کیا جو سکون آج مجھے آپ لوگوں کے درمیان آکر محسوس ہوا، آپ لوگوں کا حسن اخلاق، مہمان نوازی اور آپس کا اتفاق دیکھ کر رشک محسوس کر رہا ہوں۔ حافظ راشد محمود نے اپنے خطاب میں بستی کے رہائشیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس بستی کو آباد کرنے میں صرف اور صرف آپ لوگوں کا کردار ہے۔ آپ لوگوں نے اس بستی کو ایک مثالی بستی بنانا ہے، اگرچہ کچھ شہر پسند بستی اور ادارہ سائبان کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں ہمیں ایسے عناصر کی نشاندہی کر کے ان کے عزائم کو ناکام بنانا ہے، اس سلسلے میں سائبان آپ کو ہر ممکن مدد فراہم کرتا رہے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ جن لوگوں نے ادارے کی تمام شرائط پوری کر دی ہیں اور بستی کی بہتری میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں وہ ہمارے سرکاتاج ہیں۔

تقریب کے اختتام پر بلاکوں کے پارک سجانے والوں اور مقامی فنکاروں میں نقد انعامات پیش کئے گئے جس پر رہائشیوں نے ادارہ سائبان کا بھرپور شکریہ ادا کیا۔

مصالحی کمیٹی کے دفتر کا افتتاح

مورخہ 8 اپریل 2018ء برازا توار جناب حافظ راشد محمود نے علاقے کی یوپی کے چیئرمین جناب رانا عمران قیصر بستی کے دیگر معزز افراد کے ہمراہ مین مارکیٹ کے اندر مصالحی کمیٹی کے دفتر کا افتتاح کیا۔ کمیٹی کے قیام سے بستی کے اندر چھوٹے چھوٹے مسائل بستی کے اندر ہی حل کرنے میں مدد ملے گی۔

انتقال پر ملال

خدا کی بستی ۴ بلاک کے رہائشی مظہر عباس کے جواں سال بیٹے عثمان مظہر کا مورخہ 27 اپریل 2018ء بروز جمعہ انتقال ہو گیا انا للہ دانا الیہ راجعون

مرحوم کا گذشتہ ہفتے روڈ ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا ڈاکٹروں نے جان بچانے کی سرتوڑ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ مرحوم کو سینکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں خدا کی بستی ۴ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ ادارہ سائبان کی طرف سے گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کیا گیا ہے۔

نے بھی شرکت کی اور دولہا، دلہن اور انکے والدین کو مبارکباد پیش کی۔

بلاک B کے بچوں کا اپنی مدد آپ کے تحت پارک کی دیکھ بھال کرنے کا فیصلہ

اس میں بغیر پوچھے کوڑا پھینکنا منع ہے۔ اس کیلئے آپ کو سخت سزا ملے گی، معلوم ہوا کہ یہ سب ان بچوں کی اپنی سوچ اور اجتماعی تربیت کا نتیجہ ہے۔ ان کی راہنمائی کسی نے نہیں کی۔ اس سے حافظ صاحب بہت متاثر ہوئے اور ان بچوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کیلئے ایک ہزار روپے کے نقد انعام کا اعلان کیا اور ان کے ساتھ گروپ فوٹو بھی بنوایا۔ جس پر بچوں نے شکریہ ادا کیا اور وعدہ کیا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ دلجمعی کے ساتھ پارک کی دیکھ بھال کریں گے۔

گذشتہ دنوں خدا کی بستی ۴ کے وزٹ کے دوران جناب حافظ راشد محمود کا گزر بلاک B سے ہوا تو وہاں کچھ بچوں کو شجر کاری میں مصروف پایا۔ ساتھ ہی ایک پول پر ایک پوسٹر لکھا تھا:

اس پر پارک میں کوڑا پھینکنا منع ہے، پارک میں 4 ڈسٹ بن ہیں کوڑا ان میں پھینکے، اور یاد رکھیں کہ اگر آپ نے پارک میں کوڑا پھینکا تو جرمانہ دینا پڑے گا، پارک میں جس نے صفائی کی ہے صرف وہی پارک میں بیٹھیں گے۔ جیسا کہ اقراء خوشبو، نمرہ، دعاء، مہک، علی، سفیان، عبداللہ اور ذکیہ۔

35



خدا کی بستی-4 میں بچوں کا پارک میں کھیلنے کا منظر

خدا کی بستی نے کم آمدنی والے خاندانوں کیلئے رہائش کا مسئلہ حل کر دیا

1999ء میں قائم کی جانے والی رہائشی سکیم میں وقت کے ساتھ انقلابی تبدیلیاں لائی گئیں

صحافی، کالم نگار، ایڈیٹر حبیب الرحمان شامی سے نمائندہ خدا کی بستی میگزین کی خصوصی ملاقات

گفتگو ہمایک (کراچی)

کراچی آبادی کی لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے اس شہر کی آبادی دنیا کے کئی ممالک کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی اور مرکزی بندرگاہ نے اس شہر کو سب سے بڑا تجارتی شہر بنا رکھا ہے۔ حصول روزگار اور تعلیم کیلئے گاؤں دیہات سے عوام الناس کی شہروں کی جانب نقل مکانی ایک مسلسل عمل ہے، لیکن پلاننگ کمیشن کی ایک رپورٹ کے مطابق گذشتہ چند سالوں اس رجحان میں نہایت تیزی آئی ہے اور 2030ء تک پاکستان کی آدھی آبادی شہروں میں رہ رہی ہوگی۔

ان خیالات کا اظہار انہوں نے نمائندہ خدا کی بستی میگزین سے ایک ملاقات میں کیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ کراچی شہر کی مجموعی آبادی کا 80 فیصد ملڈ یا لوئر ملڈ کلاس لوگوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ مہنگائی پر قابو نہ ہونے کی وجہ سے مکانات کی تعمیر ان لوگوں کیلئے ایک خواب بن کر رہ گیا ہے اور یہ لوگ اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ کرائے کی مد میں ادا کر رہے ہوتے ہیں حکومتی سطح پر ان لوگوں کی ہانگ کی ضروریات پوری کرنے کیلئے کسی بھی جامع حکمت عملی کا فقدان دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہاؤسنگ کے مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے لہذا ان مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے سائبان نے ملیر ٹاؤن کے علاقے میں بے گھر اور کم آمدنی والوں کیلئے خدا کی بستی کے نام سے ایک ہاؤسنگ پروجیکٹ بنا کر غریب اور بے گھر خاندانوں کی مدد کی۔ آج الحمد للہ خدا کی بستی میں بسنے والے تمام کمین آپس میں پیار محبت، بھائی چارے اور یکجہتی کے ساتھ آباد ہیں۔

انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ میں خود 2005ء سے اس بستی میں رہائش رکھتا ہوں میں نے ان 13 سالوں میں بڑے نشیب و فراز دیکھے لیکن پروجیکٹ آفیسر اختر علی خان اور تسنیم صدیقی صاحب کی ہمت اور حوصلہ مندی کی داد دیتا ہوں اور سمجھتا ہوں ان بے لوث اور مخلص لوگوں کی وجہ سے خدا کی بستی میں آباد غریب اور بے گھر خاندانوں کیلئے رہائش کا مسئلہ حل بلکہ انہیں زمین دے کر باعزت مقام بھی عطا کیا جس کی جتنی

تعریف کی جائے کم ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی بستی میں تقریباً 60 فیصد لوگ آج بھی ادارہ سائبان کے ڈیفالٹر ہیں یہ افراد قسطنطنیہ کی ادائیگی میں تعاون نہیں کرتے بلکہ اپنی مجبوری ظاہر کر کے ادارہ سے مزید تعاون حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ ادارے کی شرافت اور محبت ہے کہ انہوں نے ان رہائشیوں کے پلاٹ ابھی تک کینسل نہیں کئے۔ اب عوام کا بھی فرض بنتا ہے کہ اپنے پلاٹ کی مکمل ادائیگی کو یقینی بنائیں اور اپنی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر فراغت حاصل کریں۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے بتایا کہ 1999ء میں قائم کی جانے والی خدا کی بستی میں وقت کے ساتھ انقلابی تبدیلیاں لائی گئیں۔ دیکھا جاسکتا ہے کہ خدا کی بستی میں بنیادی سہولتوں کا مکمل انتظام موجود ہے لیکن 2006ء سے سیاسی جماعتوں کے لوگوں کے عمل دخل کی وجہ سے سینکڑوں مسائل پیدا کر دیئے گئے ہیں۔ پانی، بجلی جیسی سہولت میں خلل ڈال کر عوام کیلئے مسائل کھڑے کئے گئے۔ حالیہ دنوں میں سائبان نے 6 لاکھ کی خطیر رقم خرچ کر کے سیوریج کا مسئلہ حل کیا جبکہ مقامی حکومت کی طرف سے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا گیا جس کی وجہ سے خدا کی بستی میں آج بھی چند گلیوں میں سیوریج جیسے مسائل دیکھے جاسکتے ہیں۔

ایک اور سوال کے جواب میں ان کا کہنا تھا کہ جہاں تک بستی میں صحت صفائی کا مسئلہ ہے، اس مسئلہ کا حل عوام کے پاس موجود ہے۔ وہ خود نہیں چاہتے کہ میدانوں اور گلیوں میں گھر سے لاکڑ ڈالا گیا کچر اصف ہو اگرچہ سائبان کی طرف سے گھر کا کچرا اٹھانے والی گاڑی روزانہ کی بنیاد پر خدا کی بستی کی تمام گلیوں میں آتی ہے، مگر کچھ لوگ تعاون نہیں کرتے، ان کا یہ عمل ہمارے لئے باعثِ شرم ہے۔

انہوں نے مزید کہا کہ خدا کی بستی میں عوام کی بنیادی سہولت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہفتہ، منگل بازاروں کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ عوام کو مینے میں 8 مرتبہ سہولت دی جاتی ہے جہاں عوام اپنی مرضی اور پسند سے خریداری کر سکتے ہیں۔

انہوں نے آخری سوال کے جواب میں کہا کہ خدا کی بستی سب سے اہم مسئلہ لیز ہے۔ عوام چاہتے ہیں کہ ایم ڈی اے خدا کی بستی نمبر 3 کو جلد از جلد لیز دے کر اس اہم مسئلہ کو حل کرے۔ دوسری جانب خدا کی بستی

36

فیزر-1 کے کمرشل پلانوں کا نیا عام کرنے کا اختیار بھی سائبان کو دیا جائے۔ جبکہ حکومتی مشنری کا کام عوام کو بہولتیں بہم پہنچانا ہے انہیں پریشان کرنا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر خدا کی ہستی کی یہ زکا معاملہ یونہی التوا کا شکار رہا تو پھر ممکن نہیں ہو سکے گا۔ لہذا ایم ڈی اے اور سائبان کو اس ضمن میں جو بھی فیصلہ کرنا ہے اسے فوری عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔



خدا کی ہستی-1 میں موٹرز نکاسی آب کے لئے موجود ہیں



خدا کی ہستی-1 میونسپل کمیٹی کا اندرونی منظر اور آفس کا شاف



خدا کی ہستی-1 میں میونسپل کمیٹی کے آفس باہر کا منظر



خدا کی ہستی-3 میں روڈ کے لئے زمین کو لیول کیا جا رہا ہے

جس سے صفائی کا نظام بہتر ہو گیا ہے جبکہ مینٹیننس چارجز کی وصولی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ مینٹیننس چارجز کی وصولی کیلئے ادارہ سائبان اور کمیونٹی کے افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی ہے جس کے ممبران میں کمیونٹی کی طرف سے مرزا عقیل بیگ، شیریں خان اور علی احمد جبکہ سائبان کی جانب سے محمد اقبال، ایم اسحاق بزمی اور سیف اللہ خان شامل ہیں۔

بجلی کی فراہمی

بستی کے رہائشیوں کو بجلی کی فراہمی 2009ء میں ہی کر دی گئی تھی جس سے لوگ بھرپور استفادہ کر رہے ہیں۔ اب تک حاصل کئے گئے کنکشنز کی تعداد تقریباً 200 ہے۔

پولز کی درستی اور سٹریٹ لائٹ

آغاز میں جب بجلی کے پول نصب کئے گئے اس وقت واپڈا اہلکاروں کی غفلت سے کچھ پول سڑک کے درمیان آ گئے جس کی وجہ سے لوگوں کو آمد و رفت میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ واپڈا والوں کی غلطی کا خمیازہ ادارے کو بھگتنا پڑا۔ گذشتہ ماہ پول سیدھے کروانے کے لئے ایک کمپنی کو 4 لاکھ روپے میں معاہدہ کیا گیا۔ اپریل 2018ء میں پولز کی صحیح جگہ تنصیب کا کام مکمل کر لیا گیا ہے۔ اس ساتھ ساتھ سٹریٹ لائٹس بھی لگادی گئی ہیں

تعلیم

ادارہ سائبان کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ بستی کے رہائشیوں کو ہر قسم کی سہولتوں سے مزین کیا جائے تاکہ وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح ایک اچھی زندگی گزار سکیں۔ خدا کی بستی-4 میں 2 بہترین اور معیاری تعلیمی ادارے Four Dimention School System DIL کے نام سے نہ صرف بستی کے بلکہ گردونواح کے بچوں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کر رہے ہیں۔

DIL سکول میں میٹرک تک جبکہ FDSS میں پرائمری تک تعلیم دی جا رہی ہے۔ اسکے علاوہ دونوں اداروں میں بہترین لائبریریاں بھی قائم کی گئی ہیں۔ جبکہ DIL سکول میں Mobilink کے تعاون سے جدید کمپیوٹر لیب قائم کی گئی ہے جو بچوں کو دور جدید کے علوم سے ہم آہنگ کرنے میں معاون ثابت ہو رہی ہے۔

خدا کی بستی کا لاشاہہ کا کوکل 12 بلاکس پر مشتمل ہے۔ ہر بلاک میں ایک پارک موجود ہے جو بلاک کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ تمام بلاکس کے داخلی راستے پر بلاک نمبرنگ کر کے بورڈ آویزاں کر دئے گئے ہیں۔ اپریل 2108ء میں تمام بورڈ زکو رنگ کروا کے دوبارہ نمبرز لگا دئے گئے ہیں۔ بستی میں تقریباً 900 افراد پر مشتمل 180 کے خاندان آباد ہیں۔ بستی میں اس وقت تقریباً 900 افراد پر مشتمل 180 خاندان آباد ہیں۔ بستی کے کل پلاٹس کی تعداد 451 ہے جس میں 254 ریگولر رہائشی پلاٹس ہیں جبکہ پرائم رہائشی پلاٹوں کی تعداد 197 ہے۔

ترقیاتی کام

سیوریج

خدا کی بستی ۴ کے تمام رہائشی علاقے میں سیوریج کا نظام بشمول ڈسپوزل سٹیشن مکمل کیا جا چکا ہے۔ اپریل 2018ء میں بلاک A کا سیوریج خراب ہونے کی بناء پر دوبارہ ڈال دیا گیا ہے۔ چند ماہ قبل 35 ہزار روپے سے ڈسپوزل سٹیشن اور نالے کی صفائی کروائی گئی۔ چونکہ سیوریج کو ڈالنے تقریباً 8 سے 10 سال بیت چکے ہیں اس لئے بعض جگہوں پر یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اس کی وجہ سے سیوریج لائن میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی جسے مرمت کر کے پانی کے بہاؤ میں سہولت پیدا کر دی گئی ہے۔ جہاں جہاں پائپ ٹوٹے ہوئے تھے وہاں نئے پائپ لگا دئے ہیں۔

صفائی کا نظام

بستی میں صفائی کے لئے ہر بلاک کے باہر 2 کوڑے کے ڈرم نصب ہیں جہاں رہائشی کوڑا بھینکتے ہیں۔ اور پھر وہاں سے سوپر ڈرموں سے کوڑا اٹھا کر ڈمپنگ سائڈ پر لے جاتا ہے۔ اس کے علاوہ پارکوں اور سڑکوں کی صفائی بھی باقاعدگی سے کی جاتی ہے۔

مینٹیننس چارجز

سیوریج اور صفائی کے نظام کو برقرار رکھنے کیلئے بستی کے رہائشیوں کے ذمہ مبلغ 200 روپے ماہانہ واجب الادا ہیں لیکن بہت سے خاندان رقم ادا کرنے میں کوتاہی بھی کرتے ہیں۔ چونکہ دسمبر 2017ء سے بستی کی منتخب کمیٹی نے مینٹیننس چارجز وصول کرنے اور صفائی کا ذمہ خود لے لیا ہے۔

مسجد

دیا گیا ہے جو انشاء اللہ جلد مکمل ہو جائے گا۔

مین روڈ

جب خدا کی بستی ۴ کا آغاز ہوا اس وقت بستی سے مین روڈ تک کوئی پختہ سڑک موجود نہیں تھی۔ چک 44 سے بستی تک ایک کچا راستہ موجود تھا جہاں پر گاڑیوں و دیگر ٹرانسپورٹ کی آمد و رفت بہت مشکل تھی۔ ادارہ سائبان نے علاقہ کے لوگوں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش اگر وہ زمین کا کچھ حصہ دے دیں تو اس سڑک کو کھلا کر کے پختہ کر دیا جائے۔ شروع میں تو لوگ اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہ تھے مگر بڑی کوششوں کے بعد وہ زمین دینے پر راضی ہو گئے۔ اب سڑک کو پختہ کرنے کا مرحلہ تھا اس کیلئے خطیر رقم کی ضرورت تھی جو ادارہ کیلئے ادا کرنا مشکل تھا۔ اس وقت حکومت کی طرف سے CCB (Citizen Community Board) کے نام سے ایک سکیم چل رہی تھی جس کے تحت مختلف قسم کی ترقیاتی کاموں کیلئے 80 فیصد رقم مقامی حکومت مہیا کرتی تھی جبکہ 20 فیصد رقم کمیونٹی کے لوگ اپنے وسائل سے اکٹھا کرتے تھے۔ چونکہ خدا کی بستی میں زیادہ لوگ ابھی آباد نہیں ہوئے تھے اس لئے 2007ء مقامی لوگوں پر مشتمل CCB قائم کی گئی۔ بعد ازاں سڑک کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا فامولے کے تحت CCB یعنی ادارہ نے 1490000 کی رقم خرچ کرنی تھی مگر ادارہ نے پچیس لاکھ کے قریب رقم خرچ کر دی تاکہ سڑک کی تعمیر کا کام نہ رک سکے اس دوران حکومت کی جانب سے صرف ایک قسط موصول ہو سکی۔ مجموعی رقم سے سڑک پر پتھر ڈال دیا گیا جس سے کچے راستے کی نسبت آمد و رفت میں بہتری آگئی مگر مزید کام حکومت کی طرف سے رقم موصول نہ ہونے کی وجہ سے رک گیا۔ جس کی وجہ 2008ء میں صوبائی حکومت کی تبدیلی تھی۔ 2017ء میں ادارہ سائبان نے چک 44 سے خدا کی بستی ۴ تک سڑک جہاں جہاں سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی مرمت کروائی۔ مارچ 2018ء میں اس روڈ کو AMCG کے تعاون سے کارپٹ کر دیا گیا ہے جس سے نہ صرف بستی کے لوگوں کو بلکہ دیگر ملحقہ گاؤں کے لوگوں کو بھی آمد و رفت میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔

وائر سپلائی

خدا کی بستی ۴ میں زیر زمین پانی پینے کیلئے بھی محفوظ ہے، جس کے کئی مرتبہ

ادارہ کی کوشش رہی ہے کہ رہائشیوں میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم رکھی جائے۔ اس لئے ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بستی میں صرف ایک ہی مسجد کی تعمیر کی جائے جہاں تمام مسالک کے لوگ مل جل کر اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکیں۔ اس مقصد کے لئے مولانا عبید اللہ سندھی مسجد کی تعمیر کی گئی ہے جہاں بستی کے تمام افراد آزادانہ مذہبی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ مسجد کی تزئین و آرائش کا کام بھی کافی حد تک کیا جا چکا ہے جبکہ مزید کام جاری ہے۔ اس مقصد کے لئے کچھ مختیر حضرات کا بھرپور تعاون حاصل رہا ہے جس میں خدا کی بستی چار کے سائٹ مینیجر ضاب سیف الرحمن کے سہمی جو کہ امریکہ میں مقیم ہیں کا تعاون نمایاں رہا ہے۔ گزشتہ سال انہوں نے مسجد میں UPS اور وائرنگ کا کام کروایا تھا اس کے علاوہ مسجد کے مین ہال مین سنگ، مرمر کی تنصیب کا کام بھی مکمل کروایا۔ جبکہ گزشتہ برس انہوں نے مسجد کے مرکزی ایلیمنیم کے بنے دروازے لگوا کر دیئے۔

مارکیٹ

بنیادی ضروریات زندگی کیلئے بستی کے وسط میں ایک مین مارکیٹ موجود ہے جہاں سے لوگ سودا سلف خریدتے ہیں۔ اس کے لئے انہیں دور دراز علاقوں میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

پارکس

خدا کی بستی 4 میں ماحول کو خوبصورت بنانے کیلئے پارکوں کا ایک جال بچھا دیا گیا ہے ہر بلاک میں ایک پارک موجود ہے اس کے علاوہ بستی کے وسط میں 2,63 کنال پر مشتمل الگ سے ایک مین پارک عظیم سماجی رہنما پروین رحمن شہید کے نام سے منسوب کیا گیا ہے، جہاں بچوں کے ساتھ ساتھ خواتین کیلئے بھی جھولے اور پینکلیں نصب کی گئی ہیں۔ تمام عمر کے لوگ یہاں خوب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ پارکس لوگوں کو صاف ستھرا ماحول فراہم کرنے میں بہت معاون ثابت ہو رہے ہیں اپریل 2018ء میں ان جھولوں کی دوبارہ مرمت کروائی گئی ہے۔

اندرونی سڑکوں کی تعمیر

بستی کی تمام اندرونی سڑکوں کا کام سب بیس (sub base) تک مکمل کیا جا چکا ہے جبکہ اپریل 2018ء میں ان پر کارپٹنگ کا عمل بھی شروع کر

ڈسپنری

خدا کی بستی ۴ میں ڈسپنری کا آغاز میں ہی عمل میں لایا گیا جہاں لوگوں کو ابتدائی طبی امداد فراہم کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ گاہے بگاہے میڈیکل کیسپس کا بھی انعقاد ہوتا رہتا ہے۔ جہاں لوگوں نہ صرف طبی معائنہ کیا جاتا ہے بلکہ انہیں دوائیں بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔

قبرستان

خدا کی بستی ۴ میں پونے چار کنال رقبہ قبرستان کے لئے وقف کیا گیا ہے۔ جبکہ قبرستان کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے جو بڑے احسن طریقے سے خدمات سر انجام دے رہی ہے، یہ کمیٹی کسی گھر میں فوتگی کی صورت میں لوگوں کو نہ صرف مفت برتن اور دریاں بھی فراہم کرتی ہے بلکہ قبر کے لئے مفت سلیپس بھی فراہم کرتی ہے۔ ادارہ نے قبرستان کو سیلابی پانی سے بچانے کیلئے اس میں مزید مٹی دلوادی ہے تاکہ قبریں محفوظ رہ سکیں۔

شجرکاری

درخت نہ صرف انسانی صحت کیلئے ضروری ہیں بلکہ ہمارے ماحول کو صاف ستھرا بنانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خدا کی بستی میں شجرکاری مہم شروع کی جاتی ہے جس میں بستی کے لوگ بھرپور شرکت کرتے ہیں۔ سائبان پودے منگوانے میں خوب معاونت کرتا ہے۔ اپریل 2018ء میں بھی شجرکاری مہم کا آغاز کیا گیا ہے جس کے تحت 4 ہزار پودے ادارہ کی طرف سے شجرکاری کیلئے فراہم کیے جائیں گے، جس میں سے 4 سو کے قریب پودے لوگوں میں تقسیم کئے جائیں گے ہیں جو لوگوں نے اپنے محنوں میں اور گھر کے باہر لگا دئے ہیں۔

ٹیسٹ بھی کروائے جاتے ہیں۔ ہانڈیوں نے اپنے گھروں میں بور ہول کروا کر ہینڈ پمپ اور موٹریں لگائی ہوئی ہیں۔

بستی میں واٹر سپلائی سکیم کی تنصیب ایک مہنگا پروجیکٹ ہے جس کی تعمیر کا منصوبہ تقریباً 1 کروڑ 20 لاکھ روپے ہے۔ جبکہ بعد میں اس کی چلت اور برقراری کیلئے بھی ماہانہ رقم کی ضرورت ہوگی، جس کیلئے رہائشیوں سے بل کی وصولی ایک مشکل کام ہوگا۔ اسلئے یہ سوچا گیا ہے کہ اس منصوبہ کو معطل رکھا جائے یا بالکل ختم کر دیا جائے۔ اس مقصد کیلئے LDA سے بھی معاملہ طے کرنا درکار ہوگا۔

کیونٹی دوپلمنٹ

کیونٹی کو مضبوط کرنے سے مسائل حل کرنا آسان ہو جاتا ہے ادارہ کی کوشش رہی ہے کہ بستی کے فلاحی کاموں میں بستی کے لوگوں کو ضرور شامل کیا جائے تاکہ وہ اپنے مسئلے خود حل کر سکیں اس مقصد کے لئے رہائشیوں کی بلاک کی سطح پر اور کاموں کی ترتیب کے لحاظ سے کمیٹیاں بنائی گئی ہیں مثلاً صفائی اور پارکس نگران کمیٹی، سیکورٹی کے نظام کی کمیٹی، مسجد کمیٹی مصالحتی کمیٹی اور سکول کمیٹی وغیرہ۔ اس کے علاوہ خدا کی بستی ۴ کی دیرینہ رہائشی اور معروف سماجی کارکن میڈم نازلی کی زیر نگرانی ایک فلاحی تنظیم نئی راہ کے نام سے لوگوں کی فلاح کے لئے کام کر رہی ہے۔ اسی تنظیم کی کوششوں سے بستی میں سوئی گیس کے کنکشنز کے لئے سروے مکمل کیا جا چکا ہے۔ امید ہے جلد ہی بستی کے لوگ بھی سوئی گیس نعمت سے بھی مستفید ہو سکیں گے۔ حال ہی میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں بستی کی 2 خواتین نے بے بی اور نوشینا ناز مخصوص نشستوں پر کونسلر منتخب ہو چکی ہیں جو کہ بستی کیلئے بڑی خوش آئند بات ہے جبکہ کونسل کی سطح پر بستی میں ایک مصالحتی کونسل کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔



41

گفتگو: ایم اسحاق بزمی

مختار رضا کہتے ہیں کہ میں نے میانوالی کے ایک متوسط گھر تعلیم یافتہ گھرانے میں آنکھ کھولی۔ والد گرامی سٹیٹ آفیسر کے عہدے پر فائز تھے۔ میرے چار بھائی تھے جن میں سے ایک کی وفات ہو چکی ہے۔ بڑے بھائی کاٹن ریسرچ کراچی میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر ریٹائرڈ ہوئے، اس وقت وہ میزان گھی آئل ملز میں بطور جنرل مینیجر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی سعادت حسین عمر HBL میں AVP کے عہدے پر ریٹائرڈ ہوئے اس وقت وہ دینی درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ مجھ سے بڑے بھائی پروفیسر ڈاکٹر صفدر حسین فیڈرل گورنمنٹ کالج اسلام آباد میں وائس چانسلر کے عہدے سے ریٹائرڈ ہو کر آجکل اوپن یونیورسٹی میں تعلیم کے شعبہ سے منسلک ہیں۔ جبکہ دو بہنیں ہیں وہ بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ میں نے انٹر تک تعلیم میانوالی سے جبکہ بی اے اسلامیہ کالج سول لائسنز لاہور سے کیا بعد ازاں کراچی میں SML کالج میں داخلہ لے لیا مگر ابھی ایک سال ہی مکمل ہوا تھا تو مجھے پی آئی اے میں ملازمت مل گئی جس کی وجہ سے لاء کی تعلیم مکمل نہ کر سکا۔

میں بطور اسٹنٹ ایڈمن آفیسر PIA میں بھرتی ہوا مگر جلد ہی مختلف انٹرویو دے کر ٹریفک میں آکر بطور ٹریفک آفیسر کام شروع کر دیا۔ یہ میرے والدین کی اچھی تربیت کا اثر تھا کہ میں نے میں نے پوری ایمانداری اور پوری محنت سے مختلف شہروں میں اپنی خدمات انجام دے کر اچھی شہرت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے میری ایمانداری اور محنت کا صلہ دیا کہ مجھے سٹیشن ماسٹر کے عہدے پر ترقی مل گئی۔ بحیثیت سٹیشن مینیجر میں نے

ہم اگر اپنے معاشرے پر نظر دوڑائیں تو بہت کم افراد ہونگے جو اپنی زندگی سے مطمئن نظر آتے ہوں۔ کوئی دولت کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو کوئی شہرت کے، کوئی دوسروں پر اپنی دھاک بٹھانے کیلئے سرگرداں ہے تو کوئی کسی ظالم کے ظلم سے بچنے کیلئے کسی پناہ کی تلاش میں، امیر امیر تر بننے کے چکروں میں ہے تو غریب راتوں رات وہ سب کچھ حاصل کر لینا چاہتا ہے جو اسے میسر نہیں۔ کوئی بھی یہ نہیں جانتا چاہتا کہ حقیقی سکون نہ تو دولت میں ہے اور نہ کسی کو اپنا زبردست بنانے میں۔ ظالم کبھی سکون کی نیند نہیں سو پاتا۔ حقیقی سکون اور قلبی اطمینان صرف اور صرف مخلوق خدا کی خدمت میں ہے۔ جو شخص دنیا سے بے نیاز ہو کر اپنی لگن میں مگن دوسروں کی خدمت کا جذبہ لئے برسرِ پیکار رہتا ہے وہ نا صرف لوگوں کیلئے مسرت کا باعث بنتا ہے بلکہ اس کا اپنا دامن بھی ہمیشہ خوشیوں سے بھرا رہتا ہے۔

خدا کی بستی ۴ کے رہائشی انتہائی دھیمے مزاج اور شگفتہ لہجے کے مالک جناب مختار رضا بھی ان چند لوگوں میں شامل ہیں جنہوں نے پوری زندگی مشکلات کا سامنا کیا، بڑی بڑی رکاوٹیں ان کی زندگی میں حاصل ہوئیں مگر کبھی بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔ خلقِ خدا کی خدمت کا جذبہ لئے آگے بڑھتے رہے۔ آج وہ اس بات پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں کہ اگرچہ وہ اپنی عملی زندگی میں دنیاوی دولت تو جمع نہ کر سکے مگر سکونِ قلب کی وہ دولت ضرور میسر آگئی جس کی بدولت دنیا کی ہر دولت بچ نظر آتی ہے۔

نواب شاہ، ڈی جی خان اور تربت میں اپنے فرائض انجام دیئے۔ میں نے جس جگہ بھی کام کیا مجھے ایک بات کا شدت سے احساس ہوا کہ ہمارے ادارے میں کرپشن کی جڑیں کس قدر گہری ہیں۔ بڑے آفیسر سے لیکر چھوٹے ملازم تک سبھی اس ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ اداروں کو اربوں روپے کا ٹیکہ لگ رہا ہے مگر کوئی پوچھنے والا نہیں۔ ایسے ماحول میں مجھ جیسے شخص کا کام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا، مگر اللہ کی مدد شامل حال ہوا اور ارادے مصمم ہوں تو کوئی طاقت آپ کو آپ کے مقصد سے روک نہیں سکتی۔ میں جہاں بھی گیا اپنی بساط کے مطابق کوشش کی کہ جس قدر ممکن ہو کرپشن ختم کر سکوں مگر حکام بالا کے عدم تعاون کی بدولت زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ مگر میں روحانی طور پر بڑا مطمئن تھا کہ میں نے اپنے حصے کا کام تو کیا۔ کرپشن کے حوالے سے میں ایک دو واقعات ضرور شیئر کروں گا جن کا تعلق براہ راست میرے ساتھ ہے۔ ڈی جی خان میں جب میری پوسٹنگ ہوئی تو وہاں میں نے دیکھا کہ PTCL کے بلوں میں LTDQ کی مد میں ہزاروں روپے وصول کئے جا رہے ہیں۔ جو کہ بالکل غلط تھا میں نے بڑی کوششوں کے بعد اسے ختم کر دیا۔ یہ بہت بڑا کام تھا کیونکہ یہ سارا کام اعلیٰ حکام کی پشت پناہی کے ساتھ انجام دیا جا رہا تھا۔ بعد ازاں میرا تبادلہ تربت کر دیا گیا۔ وہاں پہنچا تو وہاں بھی حالات ابتر ہی پائے۔ یوں لگتا تھا کہ سب لوگوں کا ایک ہی مقصد ہے کہ جتنا ہو سکے قومی دولت کو لوٹ لیا جائے۔ میں بھی اپنی عادت سے مجبور تھا میں نے بھی ٹھان لی کہ کچھ بھی ہوا اپنے فرائض پوری ایمانداری سے انجام دوں گا چاہے اس کیلئے مجھے کتنی بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑے۔ تربت انٹرنیشنل ایئر پورٹ جہاں سے مسقط کیلئے فلائٹ روانہ ہوتی ہے وہاں پرائیز پورٹ اور فارن ٹریول ٹیکس کی collection میں بے قاعدگیاں جاری تھیں۔ دوسرے بلوں کے علاوہ سردیوں میں اے سی کے بلوں کی ادائیگیاں بھی کی جا رہی تھیں۔ ہر سال کروڑوں کا نقصان ہو رہا تھا میں نے اس کرپشن کو بے نقاب کیا جس پر پی آئی کی طرف سے ستائشی خط appreciation letter بھی دیا گیا، اخبارات میں بھی خبریں شائع ہوئیں۔ مگر آپ جانتے ہیں کرپشن مافیا کتنا مضبوط ہے اس نے اپنا وار کیا اور مجھے اڑھائی سال قبل ہی ریٹائرڈ کر دیا گیا۔ میں اپنا کیس لے کر عدالت گیا مگر عدالت نے بھی یہ کہہ کر کہ ادارے نے آپ کو تمام benefits دے دیئے ہیں،

آپ کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوئی فیصلہ پی آئی اے کے حق میں دے دیا۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی کہ یہاں تو آوے کا آدہ بگڑا ہوا ہے فریاد لے کر کس کے پاس جاؤں گا۔ البتہ اتنا اطمینان ضرور تھا کہ دوران ملازمت میرے دامن پر کوئی ایسا داغ نہیں تھا جس پر مجھے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا۔ میں نے ایک پروکار اور باعزت طریقے سے اپنی ملازمت کا سفر پورا کیا۔ میری تنخواہ بہت اچھی تھی گھر، گاڑی سب کچھ سرکاری طور پر ملا ہوا تھا مگر اس عروج کے دور میں بھی میں اپنا ذاتی گھر نہ بنا سکا، حالانکہ مجھ سے کم درجے کے ملازمین کو ٹھیکوں کے مالک ہیں اور کروڑوں کا روپا کر رہے ہیں مگر اللہ کا خاص فضل ہے کہ میں نے ہمیشہ حلال کمائے کی کوشش کی الحمد للہ اس میں کامیاب رہا جس پر میں بہت مطمئن ہوں۔ مختار رضا بڑی عاجزی سے کہنے لگے کہ اللہ کی راہ میں اگر کچھ خرچ کریں یا کسی کی مدد کریں تو اسے جتنا نا نہیں چاہیے مگر آپ نے پوچھا ہے تو بتا رہا ہوں کہ میں نے جو کمایا دوسروں پر خرچ کر دیا، اپنے پاس کچھ نہ رکھا جس پر میں اللہ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ مجھے کسی قسم کا پچھتاوا یا غم نہیں کہ میں نے اپنے لیبھت کچھ بچا کر نہیں رکھا۔ میری چار بیٹیاں ہیں جن کو میں بیاہ چکا ہوں کسی قسم کی ذمہ داری اب سر پہ نہیں۔ بس یہی چاہتا ہوں کہ باقی زندگی اپنی بیگم جس نے ہر اچھے برے حالات میں میرا بھرپور ساتھ دیا کے ساتھ اطمینان کے ساتھ گزر جائے۔

خدا کی بستی ۴ میں آنے کے متعلق انہوں نے کہا کہ یہاں کے متعلق مجھے بالکل کچھ معلوم نہ تھا ایک دن میں پریشانی کے عالم میں بس میں سوار تھا کہ میری ملاقات سائبان کے جناب منظور حسین سے ہو گئی باتوں باتوں میں خدا کی بستی کا ذکر چھڑ گیا۔ اپنی پریشانی کی وجہ بتاتا چلوں کہ ریٹائرمنٹ کے بعد مجھے جو رقم ملی تھی اس سے میں ایڈن ہاؤسنگ سکیم میں ایک پلاٹ بک کر لیا مگر کچھ عرصہ کے بعد ایڈن انتظامیہ نے مجھے پلاٹ دینے سے انکار کر دیا اور میری ساری رقم بھی ضبط کر لی۔ میں ایڈن والوں کے خلاف اپنا کیس کورٹ میں لے کر چلا گیا۔ کورٹ نے پیسے واپس کرنے کے احکامات جاری کر دئے مگر اس کے باوجود مجھے یکمشت رقم نہ مل سکی بلکہ قسطوں میں ادائیگی ہو رہی ہے جو ابھی تک جاری ہے۔ اسی پریشانی میں منظور صاحب سے ملاقات ہو گئی جو مجھے لے کر حافظ راشد صاحب کے پاس لے گئے۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ مجھ سے اس طرح پیش آئے جیسے وہ

مجھے برسوں سے جانتے ہوں۔ میری ساری داستان سننے کے بعد انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ ایک مرتبہ خدا کی بستی ۴ کا وزٹ ضرور کریں اور واضح کیا کہ وہاں مکان خریدنے کیلئے نہیں بلکہ اس لئے بھیج رہا ہوں کہ وہاں آپ کو ماحول کا اندازہ ہو سکے پھر آپ چاہیں تو کرایہ پر مکان لے کر جب تک چاہیں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔ حافظ صاحب کی باتوں سے میں بہت متاثر ہوا اور فوری طور پر فیصلہ کر لیا کہ میں خدا کی بستی کا وزٹ ضرور کروں گا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے مجھے جناب اسحاق بزمی کے پاس بھیجا جنہوں نے میری بھرپور رہنمائی کی اور مجھے ساتھ لیکر خدا کی بستی ۴ کا وزٹ کرایا۔ میں آپ کو یہ بات بتاتا چلوں کہ ادارہ سائبان کے جس ممبر سے بھی ملا مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ سب میرے اپنے ہیں، اتنی اپنائیت میں نے کسی اور جگہ نہیں دیکھی۔ خدا کی بستی ۴ میں آکر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہی وہ جگہ ہے جہاں میں حقیقی سکون حاصل کر سکتا ہوں۔ اتنے کم پیسوں میں اتنی خوبصورت رہائشی بستی میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں فوری طور پر یہاں شفٹ ہو جاؤں گا۔ تھوڑا بہت ڈرتھا کہ شائد بیگم یہاں رہنے میں کچھ جھجک محسوس کریں مگر جب میں نے انہیں خدا کی بستی کے متعلق بتایا تو ان کے اندر بھی تجسس پیدا ہوا اور وہ بھی بستی کے وزٹ کیلئے تیار ہو گئیں۔ یہاں آکر ان کو بھی بستی اتنی پسند آئی کہ انہوں نے میرا بھرپور ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد ہی ہمیں رہائش مل گئی اور ہم نے یہاں رہنا شروع کر دیا۔ اگرچہ آغاز میں ہمیں آنے جانے کچھ دشواریاں پیش آئیں مگر آہستہ آہستہ ہم اس چیز کے عادی ہو گئے۔

چند ماہ کرائے پر رہنے کے بعد ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم یہاں اپنا مکان خریدیں گے۔ سات آٹھ لاکھ روپے ہمارے پاس موجود تھے ہمیں یقین تھا اتنے میں ہمیں ایک اچھا مکان مل جائے گا اور ہوا بھی ایسا ہی۔ بلاک-۱ میں ایک مکان برائے فروخت تھا ہم نے فوری طور پر مالک مکان سے بات چیت کی اور ہماری بات پکی ہو گئی یوں ہم خدا کی بستی ۴ کے مستقل رہائشی بن گئے۔

خدا کی بستی کے متعلق انہوں نے کہا کہ یقیناً جائے اس جیسا ماڈل پورے پاکستان میں نہیں ہے۔ شام کو جب ہم پارک میں بیٹھتے ہیں، ٹھنڈی ٹھنڈی

ہواؤں کے جھونکے جب آتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے جنت میں آگئے ہوں۔ اچھے برے لوگ تو ہر جگہ ہوتے ہیں مگر یہاں رہنے والے افراد مجموعی طور پر انتہائی ملنسار اور محبت کرنے والے ہیں۔ ادارہ سائبان کی بدولت یہاں باہمی یکجہتی بہت نظر آتی ہے۔ لوگ تسبیح کے دانوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں ہم نے وہ عروج بھی دیکھا جب سرکاری کوٹھی، سرکاری گاڑی اور دیگر آسائشیں میسر تھیں مگر یقیناً جائے یہاں کی زندگی اس سے کہیں پر سکون ہے۔ میرے بھائی بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہتے ہیں لیکن میں اپنے دو کمروں کے گھر میں ان سے کہیں زیادہ خوش اور مطمئن ہوں۔

پروین رحمان شہید کے قتل میں لینڈ مافیا ملوث

(ڈان رپورٹ)

ترجمہ: بشری ظہیر

تاہم بہت سے گوٹھ ختم ہو رہے ہیں کیونکہ وہ حکومت کی طرف سے جائز تسلیم نہیں کئے گئے تھے اور لینڈ ڈویلپرز جو شہر میں زمین کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنا چاہتا تھا، ان گوٹھوں کو ہٹانا چاہتا تھا۔

رپورٹ کے مطابق یہ واضح ہے کہ ایک پرعزم لینڈ ڈویلپر کیلئے یہ بہت آسان ہے کہ وہ ان کمیونٹیوں کو جن کی کوئی قانونی پہچان نہیں ہے یا زبردستی دھکا کر انہیں انکی زمین سے نکال دیا جائے۔ یا انہیں مستقل کرنے کیلئے کچھ پیسے دے دئے جائیں۔ جبکہ اگر گوٹھ کو قانونی حیثیت دے دیجائے تو کسی بھی منصوبے کے اخراجات قیمت میں ڈویلپر ز کیلئے اضافہ ہو جائیگا۔ JTI نے تحریر کیا ہے کہ محترمہ پروین رحمان نے ان گوٹھوں کی نشاندہی کا کام شروع کیا، ان کا سروے کیا اور لوگوں کی دستاویزات اکٹھی کرنے میں مدد کی۔ 2012 تک سندھ کے بورڈ آف ریونیو نے صرف 204 گوٹھوں کو کراچی میں تسلیم کیا جبکہ OPP نے 1100 سے زیادہ گوٹھوں کی نشاندہی کی تھی۔

اس کام میں تیزی پنپلز پارٹی کی حکومت کے گوٹھ آبادیکیم کے اعلان کے بعد آئی اور محترمہ پروین رحمان کے کچھ پنپلز پارٹی ممبران سے تعلقات نے انہیں سہولت دی۔

JTI کے مطابق کراچی کے شمالی اور مشرقی وسطی مضافات میں زمین کے اہم اور منافع بخش علاقوں پر گوٹھوں کی ایک بڑی تعداد اور ان رہائشیوں کے حقوق کی بات شہر کے لینڈ مافیا کیلئے واضح اور موجودہ خطرے کی نشاندہی کرتا ہے۔

OPP کے اندازے کے مطابق گوٹھوں کی تعداد 1182 سے دگنی بلکہ تگنی تھی جن کی 2012 میں نشاندہی کی گئی تھی۔

JTI نے کہا کہ کیسے OPP کے ارکان کو دھمکیاں ملنا شروع ہوئیں اور ایک واقعہ میں OPP سٹاف کے سنیر ممبر جناب سلیم علیم الدین پر دستی بم پھینک دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ OPP نے گوٹھوں کے ساتھ اپنا کام معطل کر دیا اور ابھی تک وہ کام دوبارہ سے شروع نہیں ہوا۔

پروین رحمان نے جن گوٹھوں کی نشاندہی کی تھی اور ریگولائزیشن کا کام شروع کیا تھا OPP کا کام معطل ہونے کے بعد رک گیا اور ایک بار پھر گوٹھوں کے رہائشی لینڈ مافیا کے رحم و کرم پر چھوڑ دئے گئے۔ چنانچہ یہ لینڈ مافیا تھا جو قتل کا براہ راست فائدہ اٹھانے والا تھا۔

اورنگی پائلٹ پروجیکٹ (OPP) کراچی کی ڈائریکٹر پروین رحمان کے قتل کی تحقیقات کیلئے سپریم کورٹ نے ایک مشترکہ تحقیقاتی ٹیم (JTI) قائم کی جس کے مطابق Land Mafia ان کے قتل کا واضح فائدہ لینے والا ہے۔

جسٹس شیخ عظیم سعید کی سربراہی میں تین ججوں پر مشتمل سپریم کورٹ کے سامنے پیش کی گئی حتمی رپورٹ میں JTI کے مطابق محترمہ رحمان کے قتل کے بعد OPP کا گوٹھوں کو زمینی حقوق دینے کا کام فوراً رک گیا۔

مقدمے کی سماعت دوبارہ 21 مئی کو ہوگی۔ اس سے پہلے اپنی عبوری رپورٹ میں JTI نے تجویز پیش کی کہ قاری بلال جو کہ پروین رحمان کے قتل کے ایک دن بعد 14 مارچ 2013ء کو مدینہ طور پر ایک پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا، اسے کالعدم تحریک طالبان کا سنیر کمانڈر سمجھا جاتا تھا اور وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کا اہم ملزم بھی تھا۔

13 مارچ 2103ء کو بنارس فلائی اور کے قریب مین منگھو پیر روڈ پر حملہ آوروں نے محترمہ پروین رحمان کو اس وقت قتل کیا جب دفتر سے اپنے گھر جا رہی تھیں۔

عدالت عظمیٰ کے سامنے مقتولہ کی بہن عقیلہ اسماعیل کی نمائندگی ایڈووکیٹ راجیل کامران شیخ کر رہے ہیں۔

قتل میں TTP اور وائر ہائیڈرینٹس مافیا کی شمولیت کی بھی تفتیش کی جا رہی ہے۔ مقصد ٹی ٹی پی کے کام اور جہادی عناصر کے پیچھے بے آئی ٹی نے تین ممکن امکانات کی وضاحت کی۔ محترمہ پروین رحمان کے نقطہ نظر کے خلاف دوسرا امکان شہر میں غیر قانونی پانی چورو (ہائیڈرینٹ مافیا) ہو سکتا ہے۔ اور آخری امکان بااثر جرائم پیشہ گروپ جو زمین پر قبضہ کرنے میں ملوث ہو سکتا ہے۔

کیونکہ وہ گوٹھ آبادیکیم کے رہائشیوں کو اپنی زمین کے حقوق کو محفوظ بنانے میں مدد کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ رپورٹ کے مطابق OPP کراچی کے مضافات میں رہنے والی کمیونٹی کو قانونی زمینی حقوق لینے میں مدد کر رہا تھا۔ مزید یہ کہ محترمہ پروین رحمان زمین کے نقشہ جات کی بہترین مرتب تھیں جو شہر کے مضافات میں گاؤں اور گوٹھ کی صورت میں موجود تھیں۔

44

بلڈرز اور نام نہاد سیاستدانوں کا گٹھ جوڑ کراچی شہر کا مستقبل خطرہ میں (معروف منصوبہ ساز جناب عارف حسن کی تقریر)

ترجمہ: بشری ظہیر

انہوں نے کہا، ساتھ ہی حکومت گاڑیوں کی درآمد کو بڑھا رہی ہے۔ آٹوموبائل انڈسٹری کی حمایت کر رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ پلانٹس لگائے جائیں۔ ملک میں تیل کے ذخائر کی موجودگی کو نظر انداز کر رہی ہے۔

انہوں نے پرو بلڈرز قوانین اور اور پالیسیاں لانے پر حکومت کی پرزور مخالفت کی۔ انہوں نے کہا High-density ایکٹ کے تحت حکومت نے زیادہ منافع حاصل کرنے کیلئے بڑی تعداد میں کوئیڈرو کو جان بوجھ کر کمرشلائز کر دیا ہے اور اونچی عمارتوں کی اجازت دے دی ہے۔

KDA کے نومبر ان پر مشتمل بورڈ کے ممبرز یا تو بلڈرز ہیں یا سیاسی پارٹیوں کے ممبر۔ بلڈرز سیاستدانوں کے محافظ ہیں جنہوں نے اچھے افسران کو اداروں کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے اور نااہل لوگوں کو مقرر کر کے اداروں کو تباہ کر دیا ہے۔

انہوں نے مزید اس بات پر تنقید کی کہ حکومت نے بلدیہ کے اہم کاموں کو contract out کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور عوامی رائے عامہ سے اور سمجھوتے بغیر کراچی کی ڈیولپمنٹ پراجیکٹ کو اپنا لیا ہے۔ شہر کو ٹھیکیداروں کے حوالے تو کر دیا گیا ہے مگر ریگولیٹری اتھارٹی کہاں ہے؟ ایک عام آدمی اس پبلک، پرائیویٹ (ڈیونچر میں شکست ریز) سنا ہے کیونکہ وہ کسی بھی طرح کی سہولت حاصل کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔

ان کے خیال میں، حکومت کو میڈیا کے ذریعے عوام کو مطلع کرنا چاہئے کہ کراچی کی بہتری کا کام ورلڈ بینک کے قرضے کی مدد سے ہوا ہے۔ دوسرے حقائق پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے کہا کراچی کی پیچیدہ صورتحال کی وجہ ان کے مطابق مسلسل ہجرت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلسل ہجرت سندھ کے اندرونی ضلعوں اور سرانیکسی ہیلٹ سے خاص طور پر بڑھ جائے گی جس کی وجہ سے سماجی اور ثقافتی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔

ماہرین کے مطابق حکومت زیادہ سے زیادہ گاڑیاں سڑکوں پر لانے کی اجازت دے رہی ہے جب کہ ایندھن کے ذخیرے کو نظر انداز کر رہی ہے۔

سامعین میں سے کسی نے بھی حیران کن تاثرات ظاہر نہیں کئے یا اس کے بارے میں ہی کوئی سوال اٹھایا جب PMA ہاؤس میں پیر کے دن شہری ترقی کے تجربہ کار منصوبہ دان مسٹر عارف حسن نے اپنی تقریر کے دوران کراچی کے مستقبل کی تاریک تصویر پیش کی۔

شاید وہاں موجود لوگوں کو پہلے سے ہی اس چیز کا علم تھا جہاں خراب حکمرانی جو کہ وہ کئی سالوں سے تجربہ کر رہے تھے آپ کو ایسے نتیجے کی طرف لپکا سکتی تھی۔

آنے والے سالوں میں ٹریفک کے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بینکوں نے وسط 1990 میں ایسے حالات کا سامنا کیا ہے۔ ان دنوں سفر کرنے والوں کو منزل تک پہنچنے میں تین سے چار گھنٹے لگتے تھے۔ مسٹر عارف حسن یہ گفتگو پہلے جو کہ Ardshir Cowasjee Memorial لیکچر کے دوران کہی جو انتظامیہ کمیٹی اور پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن نے منعقد کی تھی۔

انہوں نے کہا ٹریفک کی یہ صورتحال شہر میں بھاری انفراسٹرکچر کی ڈیولپمنٹ کی وجہ سے ہے جو منصوبہ بندی سے بچھایا گیا ہے اس سے سڑکوں پر مزید گاڑیاں آتی جائیں گی۔

حال ہی میں 120 عمارتیں جنگی منزلیں 20 اور 50 کے درمیان ہیں، شہر میں تعمیر کی گئی ہیں جو چیز مجھے زیادہ پریشان کرتی ہے، یہ حقیقت نہیں کہ عمارتیں جو تعمیر ہو رہی ہیں ان میں پانی اور بجلی کی فراہمی نہیں ہے جیسا کہ دنیا میں ایسی بہت ساری مثالیں پائی جاتی ہیں۔ یہاں بنیادی سہولتیں بعد میں مہیا کی جاتی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ عمارتیں کسی واضح منصوبہ بندی کے بغیر بنائی جا رہی ہیں۔

انہوں نے سامعین کو بتایا:

45

انہوں نے کہا کہ کراچی میں پانی کی کمی سے متعلق مسئلے اوپریشنل اور مینٹیننس کے مسائل کی وجہ سے ہیں اور حکومت نے کبھی بھی ماہرین کی مشاورت لینے کو ضروری نہیں سمجھا اور نہ ہی کوشش کی۔

انہوں نے کہا کہ بہتری لانے کیلئے اہم اقدام میں زمینی اصلاحات، کم آمدن ہاؤسنگ سکیموں کا 11 اجراء اور مقامی حکومتوں کی بحالی جو کہ شہری منصوبہ بندی اور ترقی کے ذمہ دار ہیں۔

پروگرام کے آغاز میں ڈاکٹر مرزا علی اظہر، ڈاکٹر شیر شاہ سید اور سنیر صحافی زبیدہ مصطفیٰ نے مسٹر Cowasjee کو خراج تحسین پیش کیا

اور انہیں ایک بہتر اور نڈر انسان کے طور پر یاد کیا جو زندگی بھر کراچی، اس کے لوگوں، ورثہ اور ماحول کیلئے لڑتے رہے

ڈاکٹر اظہر نے یاد کرتے ہوئے کہا، وہ ایک بصیرت رکھنے والے انسان، قوم کے ضمیر کی آواز اور از خود ایک ادارہ تھے۔ ان کی موت نے ایک خلا پیدا کر دیا ہے جو کہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا

کراچی یونیورسٹی کے طلباء نے Cowsjee کے لکھے ہوئے پیراگرافس کو بھی پڑھا۔



خدا کی بستی-4 میں نئی کارپینڈسٹرک



خدا کی بستی-4 میں بجلی کے نئے پول لگائے جا رہے ہیں



خدا کی بستی-4 میں مکینوں کی میٹنگ کا منظر



خدا کی بستی-4 میں نئی سیوریج لائن بچھائی جا رہی ہے

خدا کی بستی-4 کے تصویری مناظر



خدا کی بستی-4 میں سڑکوں کی صفائی کی جارہی ہے



خدا کی بستی-4 سیوریج کا منظر



خدا کی بستی-4 کے ڈائریکٹر طارق لطیف ترقیاتی کاموں کا جائزہ لیتے ہوئے



خدا کی بستی-4 ترقیاتی کام ہو رہا ہے



سالانہ میلہ کے شرکاء



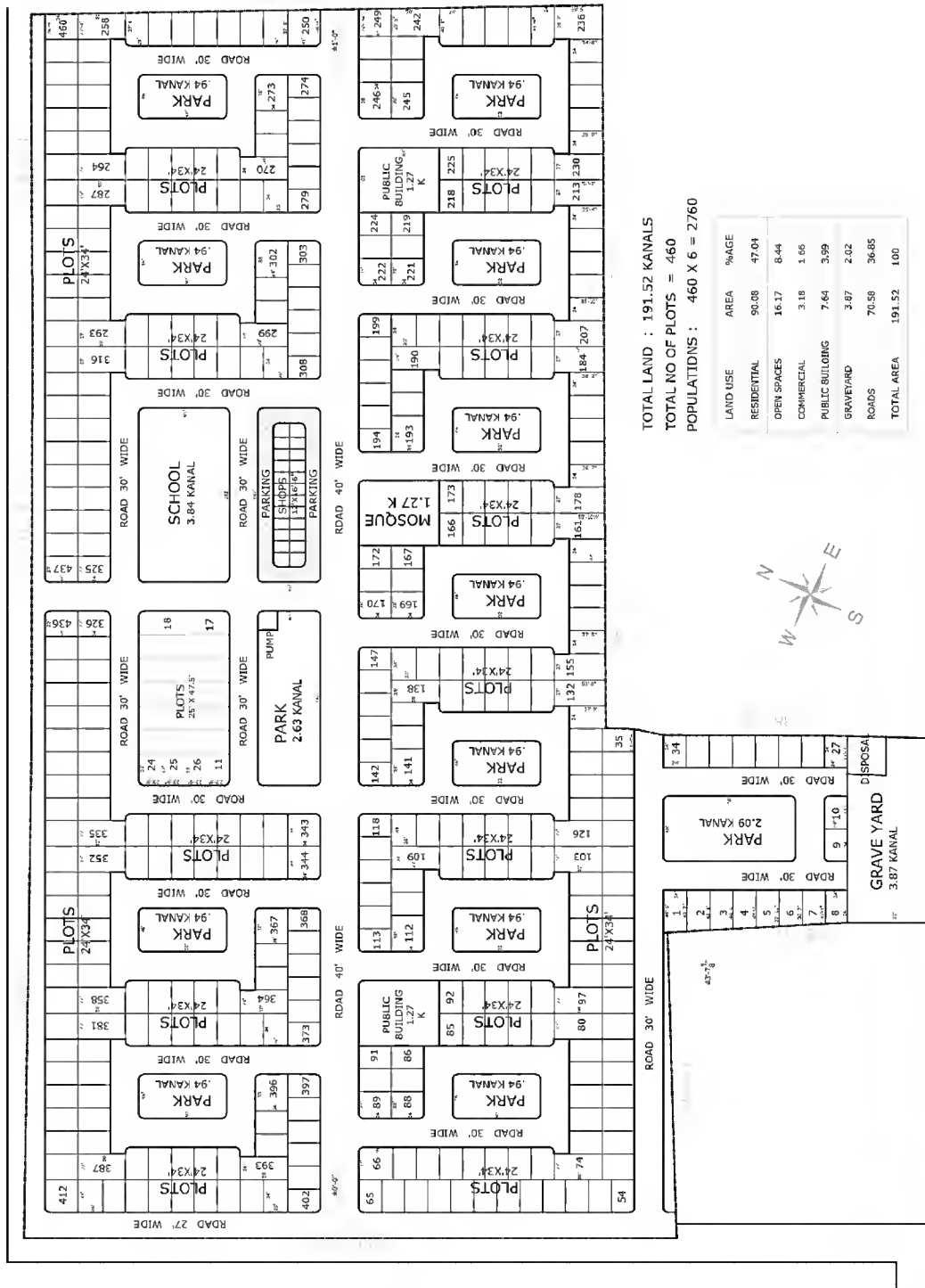
سالانہ میلہ کے موقع پر فنکاروں کو انعامات دیئے جا رہے



خدا کی بستی-4 سکول کے کمپیوٹر لیب کا منظر



خدا کی بستی-4 میں سکول کی لائبریری کا منظر



TOTAL LAND : 191.52 KANALS
TOTAL NO OF PLOTS = 460
POPULATIDNS : 460 X 6 = 2760

LAND USE	AREA	%AGE
RESIDENTIAL	90.08	47.04
OPEN SPACES	16.17	8.44
COMMERCIAL	3.18	1.66
PUBLIC BUILDING	7.64	3.99
GRAVEYARD	3.87	2.02
ROADS	70.58	36.85
TOTAL AREA	191.52	100





خدا کی بستی 3 کراچی میں پانی کی لائن ڈالی جا رہی ہے



خدا کی بستی 3 کراچی میونسپل کمیٹی کے آفس کے سامنے گرین بیلٹ کا کام جاری ہے



چیرمین سائبان تسنیم احمد صدیقی دورہ خدا کی بستی 4 کے موقع پر سٹاف کے ساتھ



سول سروس اکیڈمی کے زیر تربیت آفسران دورہ خدا کی بستی 4 کے موقع پر



خدا کی بستی 4 بلاک - بی، کے بچوں کا گروپ پارک میں



جشن بہاراں کے سلسلے میں مقابلے کیلئے سجائے گئے G بلاک پارک کا جناب عبدالمومن میمن و دیگر مہمان وزٹ کرتے ہوئے۔

اپنے ذاتی گھر سے محروم اور کرایہ دار خاندانوں کے لئے خوش خبری

آج لاہور شہر میں کم آمدنی والوں کے لئے رہائشی مسئلہ نے گھمبیر صورت اختیار کر لی ہے۔ ان کے لئے اپنے گھر کا حصول ایک ایسا خواب ہے جس کی تعبیر کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آتی۔

ادارہ **سائبان** نے اپنے عالمی سطح پر مشہور اور اقوام متحدہ، حکومت پاکستان اور دیگر عالمی اداروں سے

ایوارڈ یافتہ ماڈل رہائشی منصوبہ **”خدا کی بستی“** کی صورت میں اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا ہے

خدا کی بستی 4 لاہور شہر کے قریب کالا شاہ کاکوریلوے اسٹیشن کے عقب میں واقع وہ شاندار رہائشی منصوبہ ہے جس میں سینکڑوں خاندان اپنے ذاتی گھروں میں رہائش پذیر ہیں۔

خوبصورت پارکوں اور خوبصورت لوگوں کی کمیونٹی کا حصہ بنیے



مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لئے خوبصورت مسجد



40.30 اور 60 فٹ کی کشادہ سڑکیں



خوبصورت اور وسیع پارکس



مارکیٹ کی سہولت



اعلیٰ معیار کے دو سکول



انڈر گراؤنڈ سیوریج

تمام سہولیات سے آراستہ اس آباد رہائشی کالونی میں بنے بنائے گھر پہلے آئے پہلے پائے کی بنیاد پر دستیاب ہیں

سائٹ آفس: K-54 خدا کی بستی، 4۔ جی ٹی روڈ کالا شاہ کاکو

فون: 0322-4261233, 0311-7193131, 0323-9346886

لاہور آفس: C-95 فضل سٹریٹ علامہ اقبال روڈ لاہور